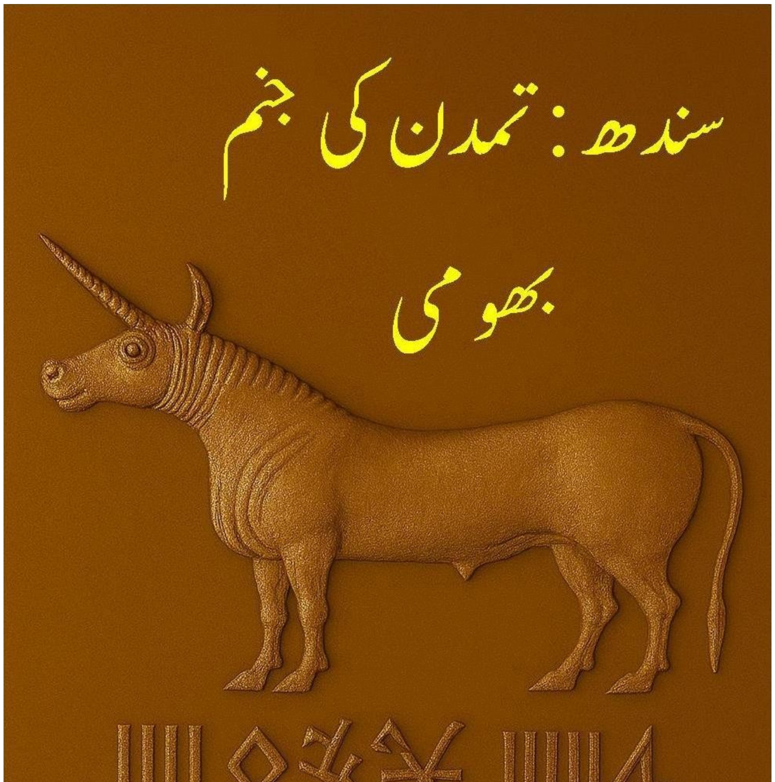
سندھ : تمدن کی جنم
بھومی
رک سندھی

سندھ: تمدن کی جنم بھومی

رک سندھی

کراچی، 2025

Sindh: The birthplace of civilization

(Book in Urdu Language)

Author: Ruk Sindhi

Karachi 2025

فہرست

1. مقدمہ
2. وادئ سندھ کی تہذیب کی جغرافیائی اور ارضیاتی ارتقا
3. سندھ اور سندھُو تہذیب کی ثقافتی اور سیاسی جغرافیہ
4. سندھ کی وادی میں ابتدائی انسانی آبادیوں کا ارتقائی سفر
5. وادی سندھ میں پتھروں کے دور کے آثار
6. درمیانی پتھر کا دور
7. وادی سندھ میں شہری ریاست کی بنیاد
8. وادئ سندھ کی تہذیب: ایک ابتدائی جمہوری معاشرہ
9. وادئ سندھ کی شہری ریاست کی سماجی و ثقافتی زندگی
10. وادی سندھ کی شہری ریاست کا معاشی تجزیہ
11. کیا سائنس کی جنم بھومی وادئ سندھ تھی؟
12. وادی سندھ کی تہذیب کی ماہرین: شناخت اور اختراع کا ورثہ
13. وادی سندھ کی تہذیب کا بحری تجارتی ورثہ

14. وادی سندھ کی تہذیب کی پر دَیسی تجارت
15. وادی سندھ کی زبان اور رسم الخط کی ابتدا
16. وادی سندھ کی زبان اور رسم الخط پر ماہرین میں اختلاف
17. وادی سندھ کی زبان سے متعلق مفروضے
18. سندھ کی قدیم زبان اور رسم الخط: سامی زبانوں سے منسوب دعووں کا تنقیدی جائزہ
19. پروٹو سندھی: سندھُو تہذیب کی اصل زبان کا تنقیدی جائزہ
20. سندھُو ماتًر کی شہری تہذیب کے مذہبی اور فکری بنیادیں
21. انڈس ویلی تہذیب میں عورتوں کا کردار: نسوانی مرکزیت پر مبنی سماجی نظام
22. سندھ تہذیب کے بین الاقوامی روابط: ہجرت، ثقافتی اثرات اور لسانی ورثہ
23. سندھ تہذیب اور میسوپوٹیمیا کے روابط: ہجرت، ثقافتی تبادلے اور لسانی شواہد
24. سندھ تہذیب کے وارثوں کے عرب خلیجی ریاستوں سے روابط: آثارِ قدیمہ اور تجارتی شواہد

25. سندھ کی تہذیب کے وارثین کی نسلی شناخت
26. سندھ پر آریاؤں کے حملے کا مفروضہ: ایک تاریخی تجزیہ
27. جینیاتی تحقیق کی روشنی میں سندھ پر آریاؤں کے حملے کا افسانہ
28. آریاؤں اور غیر آریاؤں کے درمیان تصادم: ایک سماجی و ماحولیاتی تجزیہ
29. سندھ تہذیب کے زوال کے مفروضے
30. ماخذات

مقدمہ

آج تک سندھی زبان میں سندھ کی کوئی جامع تاریخ سائنسی بنیادوں پر نہیں لکھی گئی۔ اگرچہ جدید تاریخ نویسی نے بے شمار ترقی کی ہے، مگر سندھ کے ماضی کو عصری تحقیق کی روشنی میں پیش کرنے کی سنجیدہ کوششیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آج بھی اکثریت کو نوآبادیاتی

دور کے وہی پرانے نظریات پڑھائے جاتے ہیں جو تقریباً اسی نوے سال پہلے وضع کیے گئے تھے اور جنہیں اب جدید تحقیق نے مسترد کر دیا ہے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سندھ کی قدیم تہذیب یعنی وادئ سندھ کی تہذیب دراوڑی نسل نے قائم کی تھی اور یہ تہذیب وسطی ایشیا سے آنے والے آریاؤں کے حملے کے نتیجے میں تباہ ہوگئی۔ ان حملہ آور آریاؤں نے شہروں کو تباہ کیا اور مقامی باشندوں کو جنوبی ہند کی طرف دھکیل دیا۔ مگر حالیہ تحقیقات نے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

"آریائی نسل" کا نظریہ سب سے پہلے 1855ء میں جوزف آرتھر دے گو بنو نے پیش کیا اور بعد میں میکس ملر نے اسے "آریائی حملے" کے تصور کی صورت میں عام کیا۔ یہ انیسویں صدی کی یورپی نسل پرستی اور نوآبادیاتی سوچ کا شاخسانہ تھا، جو یورپی تسلط کو جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ جب موہنجوڈارو اور ہڑپہ کی کھدائیاں ہوئیں تو یورپی ماہرین کے لیے یہ ماننا مشکل تھا کہ جن لوگوں پر وہ حکمرانی کر رہے ہیں، ان کے آباؤ اجداد ایک عظیم الشان تہذیب کے بانی تھے۔ اسی لیے آریائی حملے کا افسانہ گھڑا گیا تاکہ مقامی باشندوں کی علمی و تہذیبی عظمت کو کم کرکے دکھایا جا سکے۔

جدید سائنسی تحقیقات اس نظریے کو باطل قرار دے چکی ہیں۔ *امریکن جرنل آف ہیومن جینیٹکس* میں گیانیشور چوبے اور ڈاکٹر

کماراسوامی تھنگراج جیسے سائنسدانوں کی تحقیقات نے واضح کیا ہے کہ آریائی حملے کا نظریہ بے بنیاد ہے۔ آثار قدیمہ، بشریات اور جینیات کی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ وادئ سندھ کے لوگ نہ آریائی حملہ آور تھے اور نہ ہی باہر سے آئے ہوئے دراوڑ، بلکہ یہی سندھ کے اصل اور قدیم باشندے تھے۔

اصل میں "آریا" کوئی نسل، قوم یا قبیلہ نہیں تھا۔ وادئ سندھ اور بعد ازاں ویدی دور میں یہ لفظ کسانوں اور معزز لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس کا مطلب زراعت کرنے والے یا "شریف" انسان تھا، نہ کہ کسی مخصوص نسل کا حوالہ۔ سنسکرت میں بھی "آریا" کا مطلب عزت یا شرافت ہے، نسل یا قوم نہیں۔ اس طرح آریائی حملے کا نظریہ دراصل نوآبادیاتی دور کا افسانہ تھا جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں۔

یہ کتاب سندھ کی تاریخ کو ارضیات، آثار قدیمہ، بشریات، لسانیات اور جینیات کی روشنی میں پیش کرتی ہے۔ ارضیاتی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ سندھ کی زمین تقریباً ایک ارب سال پہلے سمندر سے ابھری اور یہاں زندگی کے آثار ساٹھ ملین سال پہلے سے موجود تھے۔ فوسلز کی دریافت جیسے *راماپیتھکس* اور *ساواپیتھکس* یہ عندیہ دیتے ہیں کہ انسانی ارتقا کے اولین نقوش اسی خطے میں پائے جاتے ہیں۔

لسانی شہادتیں بھی بتاتی ہیں کہ پروٹو سندھی زبان ہی وادئ سندھ کے لوگوں کی زبان تھی، جس کا اثر دراوڑی زبانوں (تمل، تیلگو، کنڑ

وغیرہ) اور میسوپوٹیمیا تک میں ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سنسکرت سندھی سے قدیم نہیں بلکہ سندھی دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے، جو براہِ راست وادئ سندھ کے رسم الخط سے جڑی ہے۔

یہ کتاب سندھ کے جغرافیائی و تہذیبی پس منظر، ابتدائی زرعی معاشرے، شہروں کے عروج، معیشت، مذہب، بیرونی تجارت اور زوال کا جائزہ پیش کرتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تاریخ کو موروثی افسانوں سے نکال کر سائنسی تحقیق کی روشنی میں سامنے لایا جائے، تاکہ سندھ کی اصل پہچان کو بغیر مذہبی، نسلی یا قومی تعصبات کے سمجھا جا سکے۔

رک سندھی

وادئ سندھ کی تہذیب کی جغرافیائی اور ارضیاتی ارتقا

خلاصہ

یہ مضمون سندھ اور وادئ سندھ کی ارضیاتی بنیادوں کا جائزہ لیتا ہے۔ ارضیات، ماقبل تاریخ جغرافیہ اور تاریخی تحقیقات کی روشنی میں زمین کی تخلیق، پلیٹ ٹیکٹونکس کا کردار، قدیم سمندروں جیسے ٹیتھیس کے وجود، پہاڑی سلسلوں کی تشکیل اور بالآخر دریائے سندھ کے طاس کے قیام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انہی عوامل نے دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک — وادئ سندھ کی تہذیب — کی بنیاد رکھی۔

تمہید

سندھ اور وادئ سندھ کی تاریخ کو اس کے ارضیاتی ارتقا کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ یہ سرزمین اربوں سال کی ٹیکٹونک حرکات، رسوباتی عمل اور دریائی نظام کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ یہ مضمون سائنسی حقائق اور تاریخی

زاویوں کو یکجا کرکے وادئ سندھ کے ارضیاتی ماضی کو بیان کرتا ہے۔

زمین اور چاند کی تخلیق

تقریباً 4.5 ارب سال پہلے زمین سورج سے الگ ہوئی۔ شواہد بتاتے ہیں کہ *تھیّا* نامی مریخ جتنے حجم کے ایک سیارے کے زمین سے تصادم کے نتیجے میں چاند وجود میں آیا (Jacobson & Morbidelli, 2014)۔ اس کے بعد زمین پر ٹھنڈک، آتش فشانی عمل اور قشرِ ارض، ہائیڈروسفیئر اور ایٹموسفیئر کی تشکیل ہوئی۔

براعظمی سرکشی اور پلیٹ ٹیکٹونکس

الفریڈ ویگنر کے براعظمی سرکشی کے نظریے کے مطابق ابتدا میں زمین پر ایک ہی براعظم *پینجیا* موجود تھا (Wegener, 1929)۔ بعد ازاں یہ دو حصوں *لوریشیا* اور *گونڈوانا لینڈ* میں تقسیم ہوا (Scotese, 2001)۔ برصغیر گونڈوانا لینڈ کا حصہ تھا جو شمال کی طرف بڑھ کر یوریشیا سے ٹکرایا، جس سے ہمالیہ اور کِرتھر کے پہاڑ وجود میں آئے (Wadia, 1975; Pascoe, 1959)۔

ٹیتھیس سمندر اور سندھ کا ابھرنا

تقریباً 6 کروڑ سال قبل وادئ سندھ ٹیتھیس سمندر کے نیچے ڈوبی ہوئی تھی (Oldham, 1883; Krishnan, 1968)۔ ٹیکٹونک اتھل پتھل اور زلزلے خیزی کے باعث سمندر پیچھے ہٹ گیا اور سندھ کی زمین ظاہر ہوئی۔ تھر ریگستان اور نگرپارکر کی کارونجھر پہاڑیاں قریباً 3 ارب سال قدیم ہیں (Pithawalla, 1950)۔

دریائے سندھ اور سیلابی میدان

دریائے سندھ اور اس کی معاون ندیوں کے رسوبی مواد نے زرخیز میدان بنائے (Lambrick, 1964)۔ یہی میدان زراعت اور انسانی آبادی کے لیے موزوں ثابت ہوئے۔ سندھ کے میدان کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. بالائی سندھ میدان — پنجاب کے دوآبی علاقے
2. زیریں سندھ میدان — سندھ اور ریگستانی کنارے (Lambrick, 1972)۔

آب و ہوا اور ماحولیاتی تبدیلیاں

چوتھائی عہد کے برفانی ادوار نے دریاؤں کے بہاؤ، بارش اور رسوب کو متاثر کیا (Imbrie &

(Imbrie, 1979)۔ انہی ماحولیاتی تبدیلیوں نے انسانی آبادیوں اور ممکنہ طور پر وادئ سندھ کی تہذیب کے زوال پر اثر ڈالا۔

نتیجہ

سندھ کی ارضیاتی تاریخ ٹیکٹونک تبدیلیوں، بحری اتار چڑھاؤ، پہاڑوں کی تشکیل اور دریائی عمل کا حاصل ہے۔ وادئ سندھ کی تہذیب انہی فطری بنیادوں پر ابھری۔ اس ارضیاتی پس منظر کو سمجھنا سندھ کے تاریخی و تہذیبی مقام کو اور گہری بصیرت دیتا ہے۔

ماخذ

- مبری، جے، اور اِمبری، کے۔ (1979). *آئس ایجز: حل شدہ معمہ*. ہارورڈ یونیورسٹی پریس۔
- جیکبسن، ایس۔ اے۔، اور موربیدیلی، اے۔ (2014). چاند کی ابتدائی نشوونما: زمین کے ساتھ آاسوٹوپک موازنے سے نئے حقائق۔ *نیچر، 508*(7497)، 84–87۔
- کرشنن، ایم۔ ایس۔ (1968). *بھارت کی ارضیات* (چھٹا ایڈیشن). میکملن۔

- لیمبرک، ایچ۔ ٹی۔ (1964). *سندھ: ایک عمومی تعارف. سندھ ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل,* 1(1)، 1–30۔
- لیمبرک، ایچ۔ ٹی۔ (1972). *سندھ: ایک عمومی تعارف* (دوبارہ اشاعت). آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- اولڈھم، آر۔ ڈی۔ (1883). ہندوستانی ارضیاتی سروے رپورٹس۔ *سروے آف انڈیا، جیو لوجیکل سروے*.
- پاسکو، ایچ۔ ایچ۔ (1959). *ہندوستان کی ارضیات کا خلاصہ* (جلد 1-2). گورنمنٹ پرنٹنگ پریس۔
- پٹھاوالا، ایم۔ بی۔ (1950). *برصغیر کی ارضیاتی تاریخ*. بمبئی یونیورسٹی پبلیکیشن۔
- اسکاٹس، سی۔ آر۔ (2001). *ارضیاتی تاریخ اور پلیٹ ٹیکٹونکس*. کیمبرج یونیورسٹی پریس۔
- ویگنر، اے۔ (1929). *براعظمی سرکشی کا نظریہ*. برلن: ویوگ۔
- وادیہ، ڈی۔ این۔ (1975). *ہندوستان کی ارضیات* (چوتھا ایڈیشن). میکملن۔

سندھ اور سندھُو تہذیب کی ثقافتی اور سیاسی جغرافیہ

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کی ثقافتی اور سیاسی جغرافیہ پر روشنی ڈالتا ہے، خصوصاً سندھُو تہذیب (۳۰۰۰ تا ۱۵۰۰ قبل مسیح) کے دور میں۔ اس میں سندھ کے نام کی ابتدا، تہذیب کی جغرافیائی وسعت، سیاسی تقسیمات، سندھُو اور ہاکڑہ دریاؤں کی اہمیت، اور موسمی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے اس خطے کی تاریخ کو تشکیل دیا۔ ماہرینِ تاریخ اور آثارِ قدیمہ کے حوالوں سے یہ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ سندھ جنوبی ایشیا کی قدیم تاریخ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ آخر میں ماحولیاتی تبدیلی اور اس کے سبب سندھُو تہذیب کے زوال پر بحث کی گئی ہے۔

تعارف

سندھ کا نام دریائے سندھُو سے اخذ کیا گیا ہے، جو اس خطے کی شناخت اور بقا کا بنیادی عنصر رہا ہے (ملکانی، 1960)۔ یہ مضمون سندھُو تہذیب (تقریباً 3000–1500 قبل مسیح) کے دور میں سندھ کی ثقافتی و سیاسی جغرافیہ کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔

سندھ کے نام کی ابتدا

ملکانی (1960) کے مطابق، قدیم باشندوں نے اس خطے کو دریائے سندھُو کے نام پر “سندھ” کہا۔ ایرانی تاجروں نے اسے “ہند” میں بدلا، جس سے “ہندوستان” وجود میں آیا۔ رومی تاجروں نے اسے “انڈ” بنایا، جو بعد میں “انڈیا” کہلایا۔ لفظ “بھارت” بعد میں راجہ دushyant اور ان کے بیٹے بھارت کے دور میں سامنے آیا۔ اس طرح ہندوستان اور بھارت دونوں کی جڑیں دریائے سندھ سے جڑی ہیں۔

لیمبرک (1964) کے مطابق، سندھ کو دریائے سندھُو کے نام پر پکارنا بالکل موزوں ہے، کیونکہ اسی دریا نے خطے کو زرخیزی بخشی۔

سندھُو تہذیب کی جغرافیائی وسعت

سمندر کے پیچھے ہٹنے کے بعد سندھ کا خطہ تقریباً پانچ لاکھ مربع میل پر محیط تھا (مغل،

1981)۔ یہ تہذیب بابل سے چار گنا اور مصر سے دو گنا بڑی تھی (صدیقی، 1980)۔

اس خطے میں موجودہ پاکستان (خیبرپختونخوا اور آزاد کشمیر کے پہاڑی علاقوں کو چھوڑ کر)، بھارتی پنجاب، مغربی یوپی، ہریانہ، کَچھ، کاتھیاواڑ، گجرات، مہاراشٹر اور افغانستان کے حصے شامل تھے (پنھور، 1984)۔

سیاسی و انتظامی تقسیم

پنھور (1980) کے مطابق سندھُو ریاست پانچ صوبوں پر مشتمل تھی۔ مرکزی صوبہ موجودہ سندھ تھا جس کا مرکز موہنجو داڑو تھا۔ مغربی صوبہ بلوچستان تھا، مرکز ڈمب سدات۔ شمالی صوبہ پنجاب اور خیبرپختونخوا کے حصے تھے، مرکز ہڑپہ۔ مشرقی صوبہ بھارتی پنجاب اور ملحقہ علاقے تھے، مرکز کالی بنگان۔ جنوبی صوبہ کَچھ اور گجرات تھا، مرکز لوٹھل۔

دریائی نظام

دریائے سندھُو

یہ دریا 1800 میل طویل ہے اور تبتی ہمالیہ کے سنجی خمبن گلیشئر سے نکلتا ہے۔ کشمیر اور پنجاب سے گزرتا ہوا سندھ میں داخل

ہوتا ہے اور بحیرہ عرب میں گرتا ہے (لیمبرک، 1964)۔ قدیم دور میں اس کے کئی شاخے تھے جن میں سے ایک ہاکڑہ کو پانی فراہم کرتا تھا۔

دریائے ہاکڑہ

ہاکڑہ دریا اب خشک ہوچکا ہے۔ اسے مختلف علاقوں میں گھگھر، سرسوتی، نلاشکر، رینی، واھندو اور نارو کہا جاتا تھا۔ یہ دریا سلیمان پہاڑوں سے نکلتا اور یمنا، ستلج اور سندھ سے پانی لیتا تھا۔ یہ رن کچھ میں جا کر ختم ہوتا تھا (میمڻ، 1975؛ پنھور، 1980)۔ 1226 عیسوی میں اس کے خشک ہونے سے تھر کا علاقہ ریگستان بن گیا (سمرات، 1970)۔

موسمی حالات اور ماحولیاتی تبدیلی

سندھُو وادی کبھی مانسون زون میں آتی تھی۔ جنوب مشرق سے گرمیوں کی بارشیں اور وسطی ایشیا سے سردیوں کی بارشیں آتی تھیں (منچن، 1907)۔ 3000 تا 1750 قبل مسیح دور میں موسم مرطوب تھا، لیکن 1750 قبل مسیح کے بعد بارشیں کم ہوئیں اور ہاکڑہ خشک ہوگیا (پنھور، 1983)۔

موسمی ٹائم لائن

- 9000 قبل مسیح سے پہلے: انتہائی خشک
- 9000–8500 قبل مسیح: خشک سے کم
- 8500–7500 قبل مسیح: معتدل مرطوب
- 7500–3000 قبل مسیح: معتدل مرطوب
- 3000–1750 قبل مسیح: بہت زیادہ مرطوب
- 1750–900 قبل مسیح: انتہائی خشک

بارشوں کی کمی سے زراعت ناکام ہوئی اور آبادی ہجرت پر مجبور ہوئی۔ یہ تبدیلی سندھو تہذیب کے زوال کی بڑی وجہ بنی (پنھور، 1983)۔

نتیجہ

سندھ کی ثقافتی اور سیاسی جغرافیہ براہِ راست دریائے سندھ سے جڑی ہے۔ اس نے زمین کو زرخیز بنایا، تہذیب کو پروان چڑھایا، اور خطے کی شناخت تشکیل دی۔ سندھو تہذیب کی وسعت، صوبائی تقسیم، دریائی نظام اور موسمی حالات اس خطے کی تاریخ کی بنیاد ہیں۔ موسمی تبدیلی نے زوال کو جنم دیا، لیکن دریائے سندھ کی وراثت آج بھی جنوبی ایشیا کے نام اور شناخت میں زندہ ہے۔

ماخذ

- ليمبرک، ايچ۔ ٹی۔ (1964). *Sindh: A general introduction*. آکسفورڈ يونيورسٹی پريس۔
- ملڪاني، م۔ (1960). *Sahityakaron joon smritiyoon*. سنڌي ادبي بورڊ۔
- ميمڻ، ع۔ م۔ س۔ (1975). *Hakra River*. آتها مينه ملير۔
- منچن، س۔ ف۔ (1907). *Baluchistan District Gazetteer* (جلد 7). گورنمنٹ آف انڈيا۔
- مغل، م۔ ر۔ (1981). New research on the origins of the Indus Civilization. *Sindh Quarterly, 3,* 45–60۔
- پنهور، م۔ ح۔ (1980). *Sindh-Cutch relations*. انسٽيٽيوٽ آف سنڌالاجي۔
- پنهور، م۔ ح۔ (1983). *Sindh ji rijhani tareekh*. انسٽيٽيوٽ آف سنڌالاجي۔
- پنهور، م۔ ح۔ (1984). Research and publication on the history and archaeology of Sindh. *Mehran Quarterly, 2,* 171–185۔
- سمرات، گ۔ (1970). *Sindhu Sovir*. سنڌي ادبي بورڊ۔
- صديقی، م۔ ا۔ (1980). *Sindhu Mathar ji sabhyata*. سنڌي ادبي بورڊ۔

سندھ کی وادی میں ابتدائی انسانی آبادیوں کا ارتقائی سفر

زندگی کی ابتدا

زندگی کی شروعات اربوں سال پہلے سمندروں میں ہوئی۔ ماہرین کے مطابق جب زمین کی تشکیل شروع ہوئی تو سطح پر پہاڑ اور چٹانیں نمودار ہوئیں۔ تقریباً 4 ارب سال پہلے گرم سمندری پانی میں پہلی زندہ مخلوق "امیبا" وجود میں آئی (Mikhail & Segan, 1982)۔ اسی امیبا سے مختلف قسم کے سمندری جانور پیدا ہوئے، جن میں بغیر ریڑھ کی ہڈی والے جاندار شامل تھے۔ تقریباً 35 کروڑ سال پہلے ریڑھ کی ہڈی والے جانور جیسے مچھلیاں اور مینڈک وجود میں آئے (Mughal, 1985)۔

تقریباً 14 کروڑ سال پہلے کچھ سمندری جانور ایسے ارتقا پذیر ہوئے کہ وہ خشکی اور پانی دونوں میں زندہ رہنے کے قابل ہو گئے۔ یہ جانور خوراک کی تلاش میں آہستہ آہستہ خشکی کی طرف بڑھنے لگے۔ ابتدا میں وہ دلدلی علاقوں میں آباد ہوئے۔ ان سے رینگنے والے جانور جیسے سانپ اور چھپکلی پیدا ہوئے، پھر پرندے وجود میں آئے۔ آخرکار دودھ پلانے والے جانور جیسے گھوڑے، ہاتھی، اونٹ، شیر، ہرن اور بندر تقریباً 8 کروڑ سال پہلے نمودار ہوئے (Panhwar, 1982)۔

انسان نما مخلوق کی نمود

تقریباً 5 کروڑ سال پہلے بندر جیسی مخلوق میں انسانی خصوصیات ابھرنے لگیں۔ یہ "انسان نما بندر" (Anthropoid Apes) خشک علاقوں میں پیدا ہوئے اور تقریباً 2 کروڑ سال پہلے انسان کی موجودہ شکل میں ارتقا پذیر ہوئے (Mughal, 1985)۔ ماہرین کے مطابق مکمل انسان بننے میں انہیں تقریباً 1 کروڑ سال لگے (Howell, 1970)۔

انسان نما مخلوق کے فوسلز افریقہ اور شمالی ہندوستان میں دریافت ہوئے ہیں (Leakey, 1936)۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ایک اعلیٰ ارتقا یافتہ نسل گرم علاقوں میں آباد تھی، جو بعد میں سمندر میں غرق ہو گئی (Moir, 1985)۔ یہ نسل آج کے چمپینزی اور گوریلا سے مشابہ تھی اور افریقہ و سندھ کے علاقوں میں موجود تھی (Basham, 1954)۔

یہ ارتقائی عمل زمین کے "تیسرے ارضیاتی دور" (Tertiary Age) میں وقوع پذیر ہوا (Brierfoot, n.d.)۔

سندھ میں فوسلز کی دریافت

سندھ میں ارتقا کا سلسلہ پہاڑوں اور زمین کی تہوں میں محفوظ ہے۔ گہرے تہوں میں بغیر ریڑھ کی ہڈی والے جانوروں کے فوسلز ملتے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ علاقہ کبھی سمندر کے نیچے تھا۔ اوپر کی تہوں میں مچھلیوں،

رینگنے والے جانوروں، دودھ پلانے والے جانوروں، پرندوں اور آخرکار انسان نما مخلوق کے فوسلز ملتے ہیں (Panhwar, 1982)۔

کھیرتھر، کھنڈکوٹ اور پب کے پہاڑی سلسلوں میں سمندری جانوروں کے فوسلز دریافت ہوئے ہیں۔ منچھر کے علاقے میں ہاتھی، گھوڑے اور گینڈے کے فوسلز ملے ہیں (Panhwar, n.d.)۔ یہ دریافتیں ظاہر کرتی ہیں کہ تقریباً 6 کروڑ سال پہلے یہاں مختلف قسم کے جاندار موجود تھے، اور دودھ پلانے والے جانور تقریباً 4.5 کروڑ سال پہلے یہاں موجود تھے (Panhwar, 1984)۔

جنوبی ایشیا میں انسانی ارتقا

دنیا کے دیگر علاقوں کی نسبت جنوبی ایشیا میں انسانی ارتقا سب سے پہلے ہوا۔ سندھ کی وادی میں انسان نے فطرت کو سمجھنے اور قابو پانے کے لیے جدوجہد کی، جس کے نتیجے میں ایجادات اور تمدن کی بنیاد رکھی گئی (Engels, 1973)۔ یہاں کی موسمی، آبی اور حیاتیاتی فضا نے انسان کو ترقی کے مواقع فراہم کیے (Moir, 1985)۔

ماہرین اب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی قدیم ترین موجودگی سندھ کی وادی میں پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اے۔ ایل۔ باشم کے مطابق ابتدائی انسانی ارتقا اسی خوش نصیب

وادی میں ہوا (Basham, 1954)۔ انسانیات کے ماہر ہاورڈ موئر کا بھی یہی خیال ہے کہ انسان اور اس کی تہذیب کی شروعات جنوبی ایشیا میں ہوئی، اور کئی پالتو جانور اسی خطے سے تعلق رکھتے ہیں (Moir, 1985)۔

موئر نے گائے، بھیڑ، بکری، سور، مرغی، کتا، خچر، ہاتھی اور مور کو جنوبی ایشیائی جانور قرار دیا۔ پروفیسر لیکی کے مطابق یہ جانور بعد میں جنوبی ایشیا سے بیرنگ پل کے ذریعے افریقہ، امریکہ اور یورپ تک پھیل گئے (Leakey, 1936)۔

انسان نما فوسلز کی دریافت

تقریباً 2 کروڑ سال پہلے سندھ کی وادی میں انسان نے حیوانی نسل سے علیحدگی اختیار کی۔ 1930 میں جی۔ ای۔ لیوس نے ہندوستان کے سیوالک پہاڑوں میں ایک انسان نما مخلوق "راماپیتھیکس" کے جبڑوں کے فوسلز دریافت کیے، جو تقریباً 1.5 کروڑ سال پرانے ہیں (Howell, 1970)۔ 1961 میں ان فوسلز کا دوبارہ مطالعہ کیا گیا اور انہیں دنیا کا قدیم ترین انسان قرار دیا گیا۔

کلارک ہاول کے مطابق آج کا انسان راماپیتھیکس کی نسل سے ہے (Howell, 1970)۔ بعد میں پاکستان کے پوٹھوہار علاقے سے "سواپیتھیکس" نامی 70 لاکھ سال پرانے فوسلز

دریافت ہوئے (Panhwar, 1982)۔ یہ مخلوق ابھی ابتدائی ارتقائی مراحل میں تھی، زبان اور دو پیروں پر چلنے کی صلاحیت حاصل کر رہی تھی (Mughal, 1985)۔

1983 میں مری کے روات علاقے سے "روات انسان" کے فوسلز ملے، جو پتھر کے اوزار استعمال کرتا تھا۔ اس کی عمر تقریباً 20 لاکھ سال بتائی گئی (Bower, 1988)۔ اسی علاقے سے 45 ہزار سال پرانے انسانی آثار بھی دریافت ہوئے۔

سندھ میں جدید انسان کی موجودگی

انڈیا کی ریاست آندھرا پردیش میں ماہرین آثار قدیمہ نے پتھر کے دور کے اوزار دریافت کیے، جن سے یہ ثابت ہوا کہ جدید انسان (*Homo sapiens*) 74 ہزار سال پہلے سندھ کی وادی میں موجود تھا (Petraglia, 2010)۔ یہ دریافت اس نظریے کو چیلنج کرتی ہے کہ جدید انسان سب سے پہلے 50–60 ہزار سال پہلے افریقہ میں ظاہر ہوا۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے سائنسدان مائیکل پیٹراگلیا نے *Deccan Herald* کو انکشاف کیا کہ اس سے پہلے پاکستان کے پوٹھوہار علاقے کی سون وادی کے دھابا گاؤں سے بھی اسی نوعیت کے آثار ملے تھے (Patnaik & Chauhan, 2009)۔

ان دریافتوں نے ماہرین کو اپنے نظریات بدلنے پر مجبور کیا، اور اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے انسان سندھ کی وادی میں پیدا ہوا۔ اس بنیاد پر ہم سائنسی تحقیق کی روشنی میں یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ سندھ کی وادی ہی انسانی ارتقا کا پہلا مسکن تھی۔

حوالہ جات

- Basham, A. L. (1954). *The wonder that was India*. London: Sidgwick & Jackson.
- Bower, B. (1988). Early tool making: An Asian connection. *Science News*.
- Engels, F. (1973). *Selected works* (Vol. 3). Moscow: Progress Publishers.
- Howell, C. (1970). *Early man*. New York: Time-Life Books.
- Leakey, L. S. B. (1936). *The stone age of Africa*. Oxford: Oxford University Press.
- Mikhail, A., & Segan, E. (1982). *How man became man* [Sindhi

translation]. Karachi: Local Publisher.

- Moir, H. (1985). *Signs of primitive life*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Mughal, S. (1985). *The story of evolution*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Panhwar, M. H. (1982). Man in Sindh.

.

وادی سندھ میں پتھروں کے دور کے آثار

تعارف

جب ابتدائی انسانوں نے حیوانی فطرت سے الگ ہو کر بقا کی جدوجہد شروع کی، تو انہوں نے خوراک اور تحفظ کے لیے پتھروں سے اوزار بنانا شروع کیے۔ یہ اوزار جڑیں کھودنے، پھل توڑنے اور شکار کرنے کے کام آتے تھے۔ یہی ابتدائی اوزار انسانی ٹیکنالوجی کی بنیاد بنے۔ جب تک انسان پتھروں کے اوزار استعمال کرتا رہا، اس دور کو "پتھروں کا زمانہ" کہا جاتا ہے۔ وادی سندھ میں یہ دور تقریباً 10 لاکھ سال قبل سے 4000 قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے، اور اسے تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

- **قدیم پتھروں کا دور (Paleolithic):** 10 لاکھ سال قبل تا 15 ہزار قبل مسیح
- **درمیانی پتھروں کا دور (Mesolithic):** 15 ہزار تا 8 ہزار قبل مسیح
- **نئے پتھروں کا دور (Neolithic):** 8 ہزار تا 4 ہزار قبل مسیح

یہ مضمون ابتدائی دو ادوار—قدیم اور درمیانی پتھروں کے دور—پر مرکوز ہے، اور وادی سندھ

میں انسانوں کی سرگرمیوں اور آثار قدیمہ کی روشنی میں ان کا جائزہ لیتا ہے۔

قدیم پتھروں کا دور: انسانی سماج کی ابتدا

جب انسان جنگلات سے نکل کر میدانوں، دریاؤں، جھیلوں اور چشموں کے قریب آباد ہونے لگا، تو یہ انسانی "بچپن" کا دور تھا۔ جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لیے انسان نے پتھروں اور لکڑیوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ یہ پتھر اکثر قدرتی طور پر ٹوٹے ہوئے ہوتے تھے، جن کی دھاریں کھودنے، کاٹنے اور شکار کرنے کے لیے موزوں تھیں۔

اس دور میں انسان نہ زراعت سے واقف تھا اور نہ ہی جانوروں کو پالتا تھا۔ وہ خانہ بدوش زندگی گزارتا، درختوں پر سوتا اور خوراک کی تلاش میں بھٹکتا۔ جب خوراک کی قلت ہوئی تو انسان نے جانوروں کا شکار شروع کیا۔ شکار کے لیے تعاون ضروری تھا، جس سے گروہی زندگی کا آغاز ہوا۔ یہی سماجی زندگی کی بنیاد بنی، اور انسان "سماجی حیوان" بن گیا۔ اجتماعی زندگی نے ترقی، اختراع اور ثقافت کو جنم دیا۔

وادی سندھ میں قدیم پتھروں کے دور کی بستیاں اور اوزار دریافت ہوئے ہیں۔ خاص طور پر پوٹھوہار کے علاقے میں، راولپنڈی کے قریب سون دریا کے کنارے، تقریباً 5 لاکھ سال پرانے پتھر

کے اوزار اور رہائش کے آثار ملے ہیں۔ اس تہذیب کو "سون تہذیب" کہا جاتا ہے۔

سون وادی کی گہری تہوں میں کچھ اوزار سون تہذیب سے بھی پہلے کے ہیں، جو اس سے بھی قدیم انسانی سرگرمیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان تہوں میں دو ادوار کی نشانیاں ملتی ہیں: ایک 5 لاکھ سال پرانا، اور دوسرا 4 لاکھ تا 2 لاکھ سال پرانا۔ ابتدائی دور میں غیر تراشیدہ پتھر استعمال ہوتے تھے، جبکہ بعد کے دور میں تراشیدہ کلہاڑیاں، تیر، اور کاٹنے کے اوزار ملتے ہیں، اگرچہ زراعت اور جانوروں کی پرورش ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔

سر مارٹمر ویلر کے مطابق پاکستان میں انسانی رہائش کے سب سے قدیم آثار سون دریا کے کنارے ملے، جہاں 5 لاکھ تا 3 لاکھ سال پرانے چھریوں اور کلہاڑیوں جیسے اوزار دریافت ہوئے۔ یہ اوزار نگرپارکر کے لنھی دریا کے قریب ملنے والے اوزاروں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی طرح کے اوزار روہڑی، سکھر، اور کراچی کے قریب واگھوڈار میں بھی ملے ہیں، جن کی تصدیق ماہر آثار قدیمہ ایچ ٹی لیمبرک نے کی۔

پنجاب کے بیاس دریا کے کنارے بھی اسی دور کے اوزار ملے ہیں، جنہیں ماہر آثار قدیمہ بی بی لال نے دریافت کیا۔ سون تہذیب سندھ، بلوچستان اور پنجاب میں پھیلی ہوئی تھی، جہاں ابتدائی انسان کھلے میدانوں میں رہتے تھے۔ جب موسم سرد ہوا اور برفباری بڑھی، تو انسان غاروں میں پناہ لینے

لگا—یہ رہائش کے انداز میں ایک اہم تبدیلی تھی۔

سندھ، جو پہاڑیوں اور غاروں سے مالا مال ہے، ان انسانوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوا۔ آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غاروں میں رہنے والے انسان میدانوں میں رہنے والوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ تقریباً 1 لاکھ سال قبل انسان مغربی سندھ کی غاروں میں رہنے لگے۔ سیہون کے قریب شاہ بلاول میں کھوپڑیاں ملی ہیں، اور ٹنگا نیکھا میں قدیم ڈھانچے اور پتھر کے اوزار دریافت ہوئے ہیں۔ لاکھی پہاڑیوں میں کوسی چشمے کے قریب "ہک تھمبو" نامی غار بھی اسی دور کی نشانی ہے۔ خیبر پختونخوا میں شنگھاؤ کے قریب ایک غار سے 1 لاکھ تا 40 ہزار قبل مسیح کے آثار ملے ہیں۔

یہ غار نشین انسان چھوٹے گروہوں میں رہتے تھے، ابھی خاندان یا قبیلے کی تشکیل نہیں ہوئی تھی۔ قربت نے ہمدردی اور رشتے داری کو جنم دیا۔ آگ کی عدم موجودگی میں وہ اپنے مردوں کو پتھروں کے نیچے دفن کرتے تاکہ لاشیں خراب نہ ہوں۔ سندھ میں ایسی تدفین کی مثالیں ملتی ہیں۔

دسمبر 1975 میں کیمبرج یونیورسٹی کی ٹیم، ڈاکٹر بریجٹ آلچن کی قیادت میں، سندھ میں قدیم پتھروں کے دور کے مقامات کا سروے کرنے آئی۔ انہوں نے روہڑی اور حیدرآباد کے قریب اوزار بنانے کی ورکشاپیں دریافت کیں۔ ڈاکٹر آلچن نے انہیں منفرد قرار دیا، اور مصر کے آثار سے

مشابہت دی۔ یہ اوزار تقریباً 50 ہزار قبل مسیح کے ہیں۔

اس وقت انسان شکار، مچھلی پکڑنے اور جنگلی پھلوں پر انحصار کرتا تھا۔ وہ جانوروں کی کھالوں سے لباس بناتا، اور آگ کا استعمال شروع کر چکا تھا—ابتدائی طور پر جنگلات کی قدرتی آگ سے، بعد میں پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کرنا سیکھا۔ آگ نے زندگی بدل دی: گرمائش، تحفظ، اور پکا ہوا کھانا ممکن ہوا۔

اس دور کی ایک اور عظیم کامیابی زبان کی ایجاد تھی۔ رابطے اور تعاون کے لیے انسان نے آوازوں اور اشاروں سے بات چیت شروع کی، جو رفتہ رفتہ زبان میں ڈھل گئی۔ یہی لسانی ترقی انسان کو درمیانی پتھروں کے دور میں لے گئی۔

References

- **Cousens, H. (n.d.). *The Antiquities of Sindh*.**
- Gauhar, A. (1969). *Twenty Years of Pakistan*. Karachi: Pakistan Publications.
- Gordon, G. H. Col. (1950). The stone industries of Holocene in

India and Pakistan. *Ancient India*, (6), 64.

- Lambrick, H. T. (1964). *Sindh: A General Survey*. Karachi: Sindh Government Press.
- Mehrchand, B. (n.d.). *Qadeem Sindh* [Ancient Sindh].
- Panhwar, M. H. (n.d.). *Chronological Dictionary of Sindh*.
- Paterson, T. T., & Drummond, H. J. H. (1962). *Soan: The Paleolithic Age of Pakistan*. Karachi: Pakistan Archaeology.
- Pithawala, M. B. (n.d.). *Historical Geography of Sindh*.
- Sorley, H. T. (1968). *Sindh Gazetteer*. Karachi: Government of Pakistan.
- Wheeler, S. M. (1955). *The Archaeology of Pakistan*. In *The Cultural Heritage of Pakistan*. Karachi: Pakistan Publications.

درمیانی پتھر کا دور

اس دور میں پیداواری ذرائع میں نمایاں ترقی ہوئی۔ اوزاروں میں بہتری آئی اور نئی ایجادات ہوئیں—تیر اور کمان ایجاد ہوئے، جس سے شکار میں زبردست اضافہ ہوا۔ پتھر سے نئے اوزار بنائے گئے، جیسے: کھرپی، کلہاڑی، کانٹے اور چھریاں۔ اس دور کے آخر میں مٹی کے برتن بننے شروع ہوئے اور جانور پالنے کا آغاز ہوا۔ جب ابتدائی انسانوں نے جانور پالنے شروع کیے تو ان کا بوجھ ہلکا ہو گیا—اب ان کے پاس باربرداری اور سواری کے ذرائع موجود تھے، جس سے ان کی کئی مشکلات ختم ہو گئیں۔ خوراک کا بندوبست بھی آسان ہو گیا، کیونکہ وہ دودھ اور گوشت کو اپنی غذا میں شامل کرنے لگے۔

اسی دور کے آخر میں انسان نے زمین کی کاشت کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے جھیلوں اور دریاؤں کے کنارے چھوٹے چھوٹے قطعے کاشت کرنا شروع کیے۔ پیداواری ذرائع میں ترقی کے باعث، لوگوں کی بڑی تعداد نے خانہ بدوشی ترک کر کے مستقل سکونت اختیار کی۔ اس سے برادری کا نظام مضبوط ہوا اور زبان کی ترقی تیز ہو گئی۔ بڑے گروہ پانی کی دستیابی اور شکار کی سہولت

کو مدنظر رکھتے ہوئے دریاؤں اور جھیلوں کے کنارے آباد ہونے لگے۔ کام اجتماعی طور پر ہونے لگا اور خوراک کی تقسیم مساوی ہو گئی۔

وادی سندھ میں درمیانی پتھر کا دور تقریباً 15,000 قبل مسیح سے 8,000 قبل مسیح تک جاری رہا۔ اس دور کی انسانی بستیوں کے آثار گجرات، کاٹھیاواڑ، سکھر کے قریب روہڑی، کراچی، حیدرآباد اور منچھر جھیل کے گرد و نواح سے ملے ہیں۔

اس دور کے لوگ اپنے پتھر کے اوزار چقمق پتھر سے تیار کرتے تھے، جو انہیں اروڑ (سکھر) کے آس پاس کی پہاڑیوں سے ملتا تھا۔ ماہرین نے وہاں چقمق پتھر کا ایک کارخانہ دریافت کیا ہے۔ یہ پتھر سخت ہونے کی وجہ سے زیادہ استعمال ہوتا تھا، کیونکہ اس سے بننے والے اوزار—چھریاں، کات، کانٹے—نہ صرف پائیدار بلکہ تیز دھار ہوتے تھے۔ لیمبرک بتاتے ہیں کہ اعلیٰ معیار کے اوزار اور ان کے بنانے کی جگہیں روہڑی اور کوٹ ڈیجی کے قریب ہیں۔ اسی طرح کے کئی مقامات کوہستان کے وسطی علاقے اور جنوبی ساحلی پہاڑیوں میں بھی پائے گئے ہیں۔

اوزاروں میں ترقی اور برفانی دور کے خاتمے کے باعث لوگ نئے علاقوں کی طرف پھیلنے لگے۔ انہوں نے بڑی تعداد میں گائے، بیل، بھیڑ اور بکریاں پالنا شروع کیں۔ اس دور کی انسانی رہائش گاہوں سے مٹی کے برتن بھی ملے ہیں، جو ابتدائی نوعیت کے تھے اور ہاتھ سے بنائے جاتے تھے—ابھی چاک کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔ زیریں

سندھ کے لوگ اس دور میں زیادہ تر مچھلی کا شکار کرتے تھے۔ ان کے اوزار تھارو پہاڑی اور کراچی کے گولف کلب کے قریب سے ملے ہیں۔ روہڑی کے قریب دو مقامات—شہنشاہ بلوچ اور نواب پنجابی—بھی اس دور کی انسانی بستیوں کے آثار ہیں۔ دیگر آثار ماہرین کو ہاکڑہ دریا کے کنارے بھی ملے ہیں، جن کے پتھر کے اوزار روہڑی سے ہاکڑہ دریا کے راستے پہنچتے تھے۔

اس دور کے لوگوں نے پتھر کو کاٹ کر مخصوص شکلیں دینا شروع کیں۔ انہوں نے کھانا پکانے کے لیے پتھر کی پلیٹیں اور چکی استعمال کی۔ آہستہ آہستہ ابتدائی انسانوں نے اپنے پتھر کے اوزاروں کو بہتر بنانا شروع کیا۔ اب وہ عمدہ قسم کے اوزار بنانے لگے۔ انہوں نے مچھلی پکڑنے کے لیے کانٹے، پتھر کے نیزے، پانی اٹھانے کے لیے جانوروں کی کھال سے بنے مشکیزے تیار کیے۔ اس کے علاوہ اسی دور میں پتھر کی بہترین کلہاڑیاں، چھریاں اور دیگر کاٹنے کے اوزار بنائے گئے۔ ایسی اشیاء لونی ندی (ننگر پارکر) اور دیگر مقامات سے ملی ہیں۔ اسی قسم کے دیگر اوزار کیپٹن ریڈ ڈک نے 1941ء میں ڈرگ روڈ (کراچی) یعنی سندھ کے جنوب مغرب میں دریافت کیے، جو زیادہ تر ہلالی شکل کے تھے—شاید یہ مچھلی پکڑنے کے اوزار یا تیر کے نوکدار حصے تھے، جن کے لکڑی کے حصے وقت کے ساتھ مٹی میں جذب ہو گئے۔

شکار کے لیے نوکدار اور تیز اوزاروں نے شکار کو بہت فروغ دیا۔ اب لوگوں کے گروہ سیوستان، مکران، ہاکڑہ اور سندھ کے کنارے جنگلات میں

شکار کے لیے نکلنے لگے۔ اس وقت سندھ اور ہاکڑے کے کنارے جنگلات میں ہاتھی، گینڈے، بندر، چیتے اور دیگر قسم کے جانور پائے جاتے تھے۔ ماہرین اس دور کو شکاری اور مال مویشی پالنے والے انسانوں کا دور کہتے ہیں، کیونکہ اس وقت زراعت نے ابھی قابل ذکر ترقی نہیں کی تھی اور نہ ہی لوگ کسی ریاستی نظام کے تحت مجتمع ہوئے تھے۔ وہ ابھی چھوٹے چھوٹے خاندانوں اور برادریوں میں تقسیم تھے، جو خونی رشتوں پر مبنی تھیں۔

سماجی زندگی

ابتدائی طور پر سماج میں طبقاتی نظام موجود نہیں تھا—نہ کوئی ظالم تھا، نہ مظلوم، نہ آقا تھا، نہ غلام۔ سب انسان برابر تھے اور بغیر کسی استحصال کے زندگی گزارتے تھے۔ طبقاتی نظام بہت بعد میں وجود میں آیا۔ اس لیے سماجی سائنس کے ماہرین اس نظام کو "ابتدائی کمیونزم" یا "اجتماعی نظام" کہتے ہیں۔

وادی سندھ میں قدیم اور درمیانی پتھر کے دور کے لوگوں کی سماجی زندگی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہاں طبقاتی نظام کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ سب لوگ پیداوار میں برابر شریک ہوتے تھے، جن میں عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے شامل ہوتے تھے۔ وہ سخت جدوجہد کے بعد حاصل شدہ خوراک کو برابر تقسیم کرتے تھے۔ نجی ملکیت کا تصور اس لیے پیدا نہیں ہوا تھا کہ

اوزاروں کی کمی اور سادگی کی وجہ سے کوئی فرد اکیلے کام کرنے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ اسے ہر وقت اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی مدد درکار ہوتی تھی—جیسے شکار یا پھل جمع کرنے کے وقت سب مل کر کام کرتے تھے۔ سخت محنت کے بعد بھی بمشکل اتنی خوراک یا چیز حاصل ہوتی تھی کہ وہ اپنا پیٹ بھر سکیں۔ اس لیے زائد پیداوار جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اور ذخیرہ اندوزی ناممکن تھی۔

اس دور میں کسی حکومت، ریاست یا قانون کا تصور موجود نہیں تھا۔ سب لوگ مل کر اپنا دفاع کرتے تھے—خونخوار جانوروں کے حملوں اور بیرونی دشمنوں کے خلاف اجتماعی طور پر لڑتے تھے۔ اس وقت علاقائی تقسیم کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ وہ قدرتی حدود کے اندر رہتے تھے—یعنی وہ وہاں جا کر آباد ہوتے تھے جہاں خوراک وافر مقدار میں دستیاب ہوتی اور پانی آسانی سے ملتا۔

اس دور میں وادی سندھ کے باشندے وحشی دور سے نکل کر تنہا زندگی گزارنے کی عادت چھوڑ کر برادریوں اور خاندانوں میں متحد ہوئے۔ یہ برادریاں اور خاندان خونی رشتوں پر مبنی ہوتے تھے۔ ابتدا میں ان میں آزاد جنسی تعلقات کا رواج تھا۔ آزاد تعلقات کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچے کے والد کا تعین ممکن نہیں ہوتا تھا، اس لیے نسب کا سلسلہ ماں سے چلتا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم سماج میں عورت کو بہت عزت حاصل تھی۔ عورت ہی پورے خاندان پر حکمرانی کرتی

تھی۔ ایک برادری یا خاندان میں موجود تمام مرد و عورتیں ایک دوسرے سے جنسی تعلقات رکھتے تھے، جس میں حسد یا رقابت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔

اسی لیے سماجی سائنس کے ماہرین اس دور کے سماج کو "ماں پرست سماج" کہتے ہیں، کیونکہ اس دور میں عورت ہی حکمران تھی۔ وہی برادریوں اور خاندانوں کی سربراہ ہوتی تھی۔ خوراک کی تقسیم، نسل کی پرورش اور پالے ہوئے جانوروں کی دیکھ بھال اس کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

اہم ایجادات اور ثقافتی تبدیلیاں

ابتدائی انسان، جو پہلے ننگے پھرتے تھے، شکار کیے گئے جانوروں کی کھال سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے—یہ ستر پوشی نہیں بلکہ سردی و گرمی سے بچاؤ کا ذریعہ تھا، جو بعد میں لباس کی شکل اختیار کر گیا۔ اس دور کی سب سے بڑی ایجاد آگ کی دریافت تھی۔ آگ کی مدد سے وہ گوشت

References

- Channa, M. H. (1978). *Pre-Harappan Civilization in Indus Valley*. Sindh Quarterly, p. 19.
- Institute of Sindhology. (1976). *Bulletin* (Vol. 5), p. 18.
- Gankovsky, Y. V. (1976). *Pakistan ki Qaumiyatain* [Pakistan's Nationalities]. Moscow: Nauka Publishers.
- Lambrick, H. T. (1964). *Sindh: A General Survey*. Karachi: Sindh Government Press.
- Panhwar, M. H. (1982). *Man in Sindh*. Sindhological Studies Journal, Institute of Sindhology, Jamshoro, Summer Edition, p. 22.
- Patterson, T. T. (n.d.). *The World Correlation of Pleistocene*. p. 395.
- Leontiev, L. (1975). *Siyasi Muashiyat* [Political Economy]. Moscow: Progress Publishers, pp. 20–22.
- Moscow Academy of Social Sciences. (1977). *Muashray ki Science* [Social Science]. Moscow: Progress Publishers, pp. 88–89.
- Engels, F. (1973). *Khandan, Zaati Milkait aur Riyasat ka Aaghaz* [The

Origin of the Family, Private Property and the State]. In *Muntakhib Tasaneef* (Vol. 3, pp. 207–208). Moscow: Progress Publishers.

وادی سندھ میں شہری ریاست کی بنیاد

تعارف

ریاست کا ظہور انسانی تاریخ میں کسی اچانک یا جبری عمل کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ قبائلی معاشروں کے بتدریج ارتقاء سے منظم سیاسی نظام کی صورت میں سامنے آیا۔ وادی سندھ کی تہذیب، جو تقریباً 5000 قبلِ مسیح میں پروان چڑھی، شہری ریاست کی ابتدائی مثالوں میں سے ایک ہے، جو اجتماعی حکمرانی، سماجی مساوات، اور تکنیکی ترقی پر مبنی تھی۔

یہ مضمون قبائلی تنظیم سے شہری ریاست تک کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیتا ہے، اور وادی سندھ کے منفرد نظام کو اجاگر کرتا ہے۔

ریاست کا آغاز

ریاست کے قیام سے قبل انسانی معاشرے خونی رشتوں پر مبنی قبائل میں منظم تھے۔ یہ قبائلی نظام دو اہم مراحل سے گزرا: ماں کی سربراہی والا معاشرہ، جس میں خواتین قبیلے کی قیادت کرتی تھیں، اور باپ کی سربراہی والا معاشرہ، جو زراعت کی ترقی کے بعد ابھرا (Lenin, 1905)۔ قبائلی تنظیم اجتماعی فیصلوں، تنازعات کے حل، اور بیرونی حملوں سے دفاع کے لیے ایک مؤثر فریم ورک فراہم کرتی تھی۔

جیسا کہ ہیگل نے کہا: "ریاست معاشرے کی ایک مخصوص ترقی یافتہ حالت کی پیداوار ہے" (Hegel, 1821)۔ مختلف قبائل نے مشترکہ اقتصادی اور ثقافتی مفادات کی بنیاد پر اتحاد قائم کیے، جنہوں نے قوانین، روایات، اور ضوابط تشکیل دیے۔ اینگلز کے مطابق: "ریاست بظاہر پورے معاشرے کی نمائندہ ہوتی ہے، لیکن درحقیقت یہ ہمیشہ اپنے وقت کے حکمران طبقے کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے" (Engels, 1884)۔

وادی سندھ میں شہری ریاست کی بنیاد

تقریباً 5000 قبلِ مسیح میں وادی سندھ کے باشندوں نے منظم شہروں میں رہائش اختیار کی۔ ان کے مکانات پکی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے، اکثر دو منزلہ، جن میں غسل خانے، باورچی خانے، کنویں، تالاب، اور نکاسی آب کے نظام موجود تھے—جو جدید شہروں سے مشابہت رکھتے ہیں (Marshall, 1931)۔ یہاں قانون اور انصاف پر مبنی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ رہنما اجتماعی مشاورت سے منتخب کیے جاتے، اور اگر کوئی حکمران طاقت کا غلط استعمال کرتا تو شہری اسے پرامن طریقے سے ہٹا سکتے تھے۔

ایچ۔ جی۔ ویلز نے لکھا: "اگر زمین پر کوئی خطہ تہذیب کا اصل گہوارہ کہلانے کا حق رکھتا ہے، تو وہ بلاشبہ وادی سندھ ہے" (Wells, 1920)۔ اس تہذیب کے لوگ دھات کاری میں ماہر تھے—انہوں نے تانبے، کانسی، سونا، اور چاندی سے اوزار، زیورات، اور برتن تیار کیے۔ شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دور دراز علاقوں سے خام معدنیات درآمد کرتے تھے (Terry, 1925)۔ مارشل کے مطابق: "اگرچہ وہ ابھی پتھر کے دور سے نکل رہے تھے، مگر وادی سندھ کے لوگ تانبے، چاندی، اور سونے کے بارے میں خاصی معلومات رکھتے تھے" (Marshall, 1931)۔

سماجی و اقتصادی نظام

وادی سندھ کا معاشرہ ابتدائی اشتراکی نظام کی خصوصیات رکھتا تھا۔ امیر و غریب میں

کوئی واضح فرق نہ تھا؛ مکانات اور طرزِ زندگی میں یکسانیت تھی۔ پیداوار کے ذرائع اجتماعی ملکیت میں تھے، جبکہ نجی ملکیت بعد میں وجود میں آئی۔ امر کو کھدائی میں اجتماعی پکوان کے مقامات ملے، جو اجتماعی خوراک کی تیاری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح موہنجو دڑو میں عوامی تعمیرات—جو شہریوں کے لیے بنائی گئیں، نہ کہ بادشاہوں یا مندروں کے لیے—اس معاشرے کی مساوات پر مبنی فطرت کو ظاہر کرتی ہیں۔

مارشل نے نتیجہ اخذ کیا: "سندھ میں یادگار عمارات عوام کی سہولت کے لیے تعمیر کی گئیں، نہ کہ بادشاہوں یا دیوتاؤں کے لیے—جو قدیم دنیا میں ایک منفرد مظہر ہے" (Marshall, 1931)۔

نتیجہ

وادی سندھ کی تہذیب ابتدائی ریاست کی ایک مثالی تصویر پیش کرتی ہے، جو مساوات، تکنیکی ترقی، اور اجتماعی حکمرانی پر مبنی تھی۔ اس کی شہری منصوبہ بندی، سماجی تنظیم، اور اقتصادی نظام ان روایتی بیانیوں کو چیلنج کرتے ہیں، جو قدیم ریاستوں کو جبر اور طبقاتی تفریق سے جوڑتے ہیں۔ جیسے جیسے جدید تحقیق سندھ کے قدیم شہروں کی میراث کو اجاگر کرتی ہے، وادی سندھ نہ صرف ایک تاریخی عجوبہ ہے بلکہ جنوبی ایشیا کی تہذیب کی بنیاد بھی ہے۔

حوالہ جات

- Engels, F. (1884). *The origin of the family, private property and the state*. Progress Publishers.
- Hegel, G. W. F. (1821). *Elements of the philosophy of right*. Cambridge University Press.
- Lenin, V. I. (1905). *The development of capitalism in Russia*. Foreign Languages Publishing House.
- Marshall, J. (1931). *Mohenjo-Daro and the Indus Civilization*. Arthur Probsthain.
- Stalin, J. (1938). *Dialectical and historical materialism*. Foreign Languages Publishing House.
- Terry, C. S. (1925). *The meeting point of the Stone Age and the Copper Age*. British-American Historical Review.
- Wells, H. G. (1920). *The outline of history*. Macmillan.

وادئ سندھ کی تہذیب: ایک ابتدائی جمہوری معاشرہ

تعارف

طویل عرصي تائین ماہرینِ آثار قدیمہ قدیم مصر اور بین النہرین (Mesopotamia) کو دنیا کی اولین بڑی شہری تہذیبیں تصور کرتے رہے۔ تاہم بعد ازاں آثار قدیمہ اور ارضیاتی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ **وادئ سندھ کی تہذیب (Indus Valley Civilization)** نہ صرف ان سے زیادہ وسیع بلکہ کئی پہلوؤں سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ ماہر آثار قدیمہ **گیوسان (Giosan, 2012)** کے مطابق وادئ سندھ کی تہذیب اپنے عروج پر دنیا کی کل آبادی کا تقریباً **10 فیصد** تھی، اور یہ معاشرہ اپنے معاصر معاشروں کی نسبت زیادہ **جمہوری خدوخال** کا حامل تھا۔ مصر اور بین النہرین کے برعکس، وادئ سندھ کے مراکز میں بادشاہوں اور مذہبی پروہتوں کے لیے نہ عظیم محلات بنائے گئے اور نہ ہی بڑے مندر، جو ایک مختلف سیاسی و سماجی ڈھانچے کی نشاندہی کرتا ہے۔

سیاسی تنظیم

وادئ سندھ کی سیاسی تنظیم طویل عرصے سے علمی مباحث کا موضوع رہی ہے۔ ماہرِ ارضیات **جان روچ** (*نیشنل جیوگرافک*) کے مطابق، موئن جو دڑو میں شاہی محلات، بڑے مندر یا یادگار میناروں کی غیر موجودگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہاں کوئی بادشاہ یا حکمران خاندان قابض نہیں تھا (Roach, 2006)۔ اسی طرح، **جوناتھن مارک کینوائر**، جو یونیورسٹی آف وسکونسن-میڈیسن میں ماہر آثار قدیمہ ہیں، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آثار قدیمہ کے شواہد **بادشاہت یا مذہبی پیشوائیت کی غیر موجودگی** ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق، موئن جو دڑو ممکنہ طور پر مختلف محلوں سے منتخب نمائندوں کی کونسل یا اسمبلی کے ذریعے چلایا جاتا تھا (Kenoyer, 1998)۔ یہ شواہد اس تصور کو تقویت دیتے ہیں کہ **وادئ سندھ ہی انتخابی جمہوری طرز حکومت کی بانی** تھی (Possehl, 2002)۔

سماجی و معاشی ڈھانچہ

وادئ سندھ کو دنیا کی پہلی **سوشلسٹ طرز ریاست** بھی کہا جاتا ہے، جہاں اجتماعی فلاح اور شہری منصوبہ بندی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ آثار قدیمہ کے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں **جدید طرز کا نکاسئ آب، شہری صفائی اور وسائل کی منصفانہ تقسیم** رائج تھی (Wright, 2010)۔ اس تہذیب کے

باشندے طویل فاصلے تک سمندری تجارت میں مصروف رہتے اور کشتیوں کے ذریعے مختلف خطوں تک پہنچتے تھے (McIntosh, 2008)۔

بین النہرین کے عوام کے لیے سندھ (Indus) کی سرزمین ایک خاص مقام رکھتی تھی۔ سومیری (Sumerian) متون میں سندھ کو خوشحالی کی سرزمین قرار دیا گیا ہے، اور کئی اساطیر اور روایات اس سے منسوب تھیں۔ ایک سومیری کتبے میں سندھ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

”وہ سرزمین، جو سومیر کے مشرق میں واقع ہے اور جہاں سے کشتیاں مال و دولت سے بھر کر آتی ہیں، وہی جگہ ہے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے۔ یہ ایک جنت ہے جہاں نہ کوئی بیمار ہے، نہ بیوہ اور نہ یتیم بچے۔“ (Kramer, 1963, ص. 278)

یہ تحریریں واضح کرتی ہیں کہ وادئ سندھ کی تہذیب نے **بین النہرین اور بابل** کی ثقافت پر گہرا اثر ڈالا۔

نتیجہ

تمام شواہد اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ وادئ سندھ کی تہذیب نہ صرف ایک **اعلیٰ شہری تہذیب** تھی بلکہ دنیا کی اولین **جمہوری اور فلاحی معاشرتی ریاست** بھی تھی۔ مصر اور بین النہرین کے برعکس، جہاں

حکومت بادشاہوں یا مذہبی پروہتوں کے زیرِ اثر تھی، وادئ سندھ میں اجتماعی نمائندگی، مساوات پر مبنی شہری منصوبہ بندی اور وسیع پیمانے پر سماجی انصاف کا نظام قائم تھا۔ اس تہذیب کے اثرات قریبی تمدنوں پر مرتب ہوئے اور سندھ کو قدیم دنیا میں ایک **مثالی ریاست** کے طور پر پہچانا گیا۔

حوالہ جات

- Giosan, L. (2012). *Fluvial landscapes of the Harappan civilization*. *Proceedings of the National Academy of Sciences*, 109(26), E1688–E1694. https://doi.org/10.1073/pnas.1112743109
- Kenoyer, J. M. (1998). *Ancient Cities of the Indus Valley Civilization*. کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- Kramer, S. N. (1963). *The Sumerians: Their History, Culture, and Character*. شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس۔
- McIntosh, J. (2008). *The Ancient Indus Valley: New Perspectives*. سانتا باربرا: ABC-CLIO.

- Possehl, G. L. (2002). *The Indus Civilization: A Contemporary Perspective*. والٹن کریک: آلٹامیرا پریس۔
- Roach, J. (2006). *Riddle of India’s Ancient “Lost” Civilization*. نیشنل جیوگرافک نیوز۔ حاصل کردہ از https://www.nationalgeographic.com
- Wright, R. P. (2010). *The Ancient Indus: Urbanism, Economy, and Society*. کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس۔

وادئ سندھ کی شہری ریاست کی سماجی و ثقافتی زندگی

رقص اور موسیقی

انسانی جذبات کے اظہار کا سب سے قدیم اور مؤثر ذریعہ موسیقی رہا ہے۔ انسانی معاشرے میں رقص اور موسیقی کو ہمیشہ ایک نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ موہنجوڈارو کے باشندے، جو وادئ سندھ کی تہذیب کے وارث تھے، رقص اور موسیقی سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کے دلدادہ بھی تھے۔ موہنجوڈارو سے برآمد ہونے والا "ناچنے والی لڑکی" کا مجسمہ اور بانسریاں اس بات کے ناقابلِ تردید شواہد ہیں کہ وادئ سندھ کے لوگ موسیقی کو نہ صرف پسند کرتے تھے بلکہ اسے اپنے ذوق اور جذباتی تسکین کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے (McIntosh, 2008)۔

اس زمانے میں موسیقی کا فن اتنی ترقی کر چکا تھا کہ اسے مجسموں اور فن پاروں میں محفوظ کیا جاتا تھا تاکہ یا تو وہ یادگار کے طور پر رہیں یا تزئین کے لئے استعمال ہوں۔ رقص اور موسیقی عوام کی روحانی غذا بن چکے تھے۔ فنکاروں، مجسمہ سازوں اور کاریگروں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مجسمہ ساز اپنے دیس کی معروف شخصیات مثلاً ناچنے والیوں

یا گانے والوں کے مجسمے تراش کر انہیں شہروں کے اہم مقامات پر فخر سے نصب کرتے تھے (Kenoyer, 1997)۔

موسیقی اور سُر کا تعلق زرعی زندگی سے بھی گہرا تھا۔ سندھی موسیقی کی جڑیں دیہی ثقافت میں زیادہ مضبوط تھیں۔ موہنجوڈارو سے ملنے والی ایک مہر پر ایک شخص ڈھولک بجاتے ہوئے دکھایا گیا ہے جبکہ اس کے گرد لوگ رقص کر رہے ہیں (Dales, 1986)۔

زیورات اور جسمانی آرائش

وادئ سندھ کے ماہر کاریگر زیورات بنانے میں نہایت ماہر تھے۔ وہ سروں کے زیورات، ہار، بازوبند، ماتھے کے زیور، بالیاں، چوڑیاں، کنگن اور پازیب تیار کرتے تھے (Alana, 1992)۔ یہ زیورات تانبے، کانسی، سونے، ہڈیوں، موتیوں، شَیل اور فیانس سے تیار کئے جاتے تھے۔ حیرت انگیز طور پر وہ کپڑوں کے لئے بٹن بھی بناتے تھے، جنہیں مختلف ڈیزائنز اور نقش و نگار سے مزین کیا جاتا تھا (Prasad, 1944)۔

آثارِ قدیمہ سے برآمدہ ٹیراکوٹا کی عورتوں کی مورتیوں پر ہار اور چوڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کچھ مورتیوں میں عورتیں کلائی سے کندھے تک چوڑیاں پہنے ہوئے ہیں، جو اس دور کے فیشن کو ظاہر کرتا ہے (McIntosh, 2008)۔ چند خواتین بازوؤں پر مکمل چوڑیاں پہنتی تھیں۔ چانھوں-دڑو

اپنی زیورات سازی کے باعث "زیورات کا شہر" کہلایا (Mackay, 1943)۔ وہاں سے ہار، چوڑیاں، بازوبند، کنگھی، بالوں کی پِنیں، سرمے کی سلائیاں اور کُجل دان بھی ملے ہیں (Untracht, 1997)۔

زیورات اکثر گھروں کے فرش کے نیچے یا دیواروں میں چھپائے جاتے تھے، جو ان کی قیمتی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔ سندھ کی عورتیں زیبائش اور حسن و جمال کی شائق تھیں۔ آئینے، سرمے کے برتن اور دیگر آرائشی سامان بڑی تعداد میں دریافت ہوئے ہیں (Kenoyer, 1997)۔

مصوری اور فنونِ لطیفہ

جب سندھ میں زرعی ثقافت پروان چڑھ رہی تھی، تب لوگ سادہ تصویری اظہار بھی کرنے لگے۔ امری کی کھدائی سے ملنے والے ظروف پر جیومیٹریک ڈیزائن اور جانوروں کی شکلیں اس بات کا ثبوت ہیں (Memon, 1966)۔ اکثر برتنوں پر سرخ اور سیاہ رنگوں میں تکونیں اور دیہی مناظر دکھائے گئے ہیں، جن سے چھوٹے گاؤں کی جھلک ملتی ہے۔

ان ڈیزائنوں میں بیل، ہرن اور مچھلی کی شبیہیں عام ملتی ہیں، جو اس معاشرے کے زرعی اور فطری ماحول سے تعلق کی عکاسی کرتی ہیں (Wheeler, 1979)۔ نال اور کوٹ ڈیجی سے ملنے والے برتنوں پر مور، مچھلی اور

پھولوں کے نمونے بھی پائے گئے ہیں۔ چانھوں-دڑو سے ملنے والی ایک مٹی کی تعویذ پر ہرن اور کنول کے پھول کی تصویریں کندہ تھیں (Nangia, 2004)۔

کھیل اور مشاغل

وادئ سندھ کو شطرنج کی جائے پیدائش سمجھا جاتا ہے۔ موہنجوڈارو سے ایسے تختے اور مہرے ملے ہیں جو موجودہ شطرنج سے مشابہ ہیں۔ سر جان مارشل، سر مورٹیمر ویلر اور ڈاکٹر ایف۔ اے۔ خان نے اس پر تحقیق کی اور نتیجہ نکالا کہ شطرنج کی ابتدا وادئ سندھ سے ہوئی تھی اور یہ ایران، عرب، مصر کے راستے یورپ پہنچی جہاں 11ویں صدی میں کھیلی جانے لگی (Gupta & Gupta, 2006)۔

برطانوی ماہر ایف۔ ڈی۔ ڈگلس نے لکھا کہ شطرنج سندھ میں تقریباً 5000 سال قبل کھیلی جاتی تھی (Talpur, 2012)۔ آج بھی موہنجوڈارو سے برآمدہ یہ مہرے اور تختیاں قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ ہیں۔

کھلونے اور بچوں کی ثقافت

وادئ سندھ کی بستیوں سے بے شمار کھلونے بھی ملے ہیں، جو ظاہر کرتے ہیں کہ

والدین بچوں کی تفریح اور دلچسپی کا خاص خیال رکھتے تھے (Mohenjo-daro Tools and Artifacts Gallery, 2012)۔ ان کھلونوں میں مٹی کی چھوٹی گاڑیاں، بیل، گینڈے، بھینسیں، جنگلی سور، شیر، ہاتھی، مگرمچھ، کچھوے، مرغیاں اور طوطے شامل ہیں۔ یہ دریافتیں نہ صرف فنِ دستکاری کی مہارت کو ظاہر کرتی ہیں بلکہ بچوں کی زندگی میں کھیل کے اہم مقام کو بھی اجاگر کرتی ہیں۔

حوالہ جات

- علانہ، غلام علی۔ (1992). *سندھی ثقافت: اہم پہلو*۔ اُنا مینھن ملیر، 92–101۔
- Dales, G. F. (1986). Some Specialized Ceramic Studies at Harappa. In *Harappa Excavation Reports 1986–1990*. Retrieved from https://www.harappa.com/content/

some-specialized-ceramic-studies-harappa

- Gupta, K. R., & Gupta, A. (2006). *Concise Encyclopaedia of India* (Vol. 3). Atlantic Publishers & Distributors.
- Kenoyer, J. M. (1997). Trade and Technology of the Indus Valley: New Insights from Harappa, Pakistan. *World Archaeology, 29*(2), 262–280.
- Mackay, E. J. H. (1943). *Chanhu-Daro: Excavations 1935–1936* (American Oriental Series, Vol. 20). New York.
- McIntosh, J. R. (2008). *The Ancient Indus Valley: New Perspectives*. Santa Barbara: ABC-CLIO.
- Memon, S. H. (1966). *Amri*. Nayi Zindagi (مارچ – اپریل).
- Nangia, A. (2004). *Beginnings: Art from the Indus Valley Civilization*. Retrieved from http://www.boloji.com
- Prasad, D. (1944). *Sindh Jo Prachin Itihas* (Vol. 2). Bombay.
- Talpur, P. (2012). A Throw of Dice: 5000 Years Ago. Retrieved from http://parveentalpur.com/tag/chess/

- Untracht, O. (1997). *Traditional Jewellery of India*. New York: Abrams.
- Wheeler, M. (1979). *The Indus Civilization: Supplementary Volume to the Cambridge History of India*. New York: Cambridge University Press.

وادی سندھ کی شہری ریاست کا معاشی تجزیہ

تعارف

وادی سندھ کی تہذیب میں شہری ریاست کے قیام نے علم، ادب اور فنون میں غیر معمولی ترقی کی بنیاد رکھی۔ فنکاروں اور ہنرمندوں کو سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جب انسان نے شکاری زندگی سے نکل کر زرعی زندگی اپنائی تو اس نے کھیتی باڑی اور مویشی بانی شروع کی۔ تقریباً 3000 قبل مسیح تک وادی سندھ کے باسی لکڑی کے پہیوں والی گاڑیاں استعمال کرنے لگے، جن کی مدد سے زرعی پیداوار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی تھی (Panhwar, 2013)۔

زراعت

وادی سندھ کی تہذیب کے لوگ بنیادی طور پر کسان تھے۔ ماہرین آثار قدیمہ ڈکسن، بیڈن، پاویل اور دیگر کے مطابق ابتدائی دور میں سندھ

کی خواتین نے مختلف بیجوں اور پودوں پر تجربات کرکے کھیتی کے طریقے رائج کیے۔ نباتات کے ماہرین کے نزدیک سندھ میں گندم کی کاشت نہایت قدیم ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ چین میں گندم کی کاشت تقریباً 2700 ق م میں ہوئی، یعنی سندھ کے بعد، جبکہ روسی محققین کے مطابق دنیا میں گندم کی ابتدائی کاشت وادی سندھ ہی میں ہوئی (Qasmi, 1967)۔

موئن جو دڑو کی کھدائی سے جلی ہوئی مگر سالم گندم کے دانے ملے ہیں جو انسانی کاشت کے ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں چاول اور دالیں بھی کاشت کی جاتی تھیں۔ قدیم آثار سے جو، مٹر اور کھجور کے شواہد بھی ملے ہیں، جبکہ مہروں پر ناریل اور برگد کے درختوں کی تصاویر بھی ملتی ہیں۔ مہرگڑھ سے گندم اور کپاس کی کاشت کے آثار ساتویں ہزارے قبل مسیح تک کے ہیں۔ ماہر آبپاشی ایم ایچ پنھور کے مطابق مہرگڑھ (7000 ق م)، امری (3700 ق م)، کوٹ ڈیجی (3300 ق م) اور موئن جو دڑو (2350 ق م) کی زرعی ترقی نے شہری تمدن کی بنیاد رکھی (Panhwar, 2013)۔

کپاس کی کاشت وادی سندھ کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ موئن جو دڑو سے ملنے والا بُنا ہوا کپڑے کا ٹکڑا، جو تانبے اور چاندی کے برتنوں کے قریب ملا، دنیا میں کپاس کے استعمال کی سب سے قدیم شہادت ہے۔ گھر گھر سے ملنے والی تکلیں اور چرخے اس بات کا ثبوت ہیں کہ کپاس کاتنا عام پیشہ تھا۔ مارشل (1931) لکھتے ہیں

کے کپاس کا استعمال سب سے پہلے سندھ میں ہوا، جب کہ باقی دنیا میں یہ کئی صدیوں بعد رائج ہوا۔

چاول کی کاشت بھی ایک اہم دریافت ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ چاول کی ابتدا فلپائن میں ہوئی، لیکن وادی سندھ کے آثار قدیمہ نے ظاہر کیا کہ سندھ میں صدیوں پہلے چاول کاشت ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ فلپائن کے زرعی ڈائریکٹر جنرل نے موئن جو دڑو کے دورے کے دوران اعتراف کیا کہ یہاں کی دیواروں کے گارے میں چاول کے بھوسے کے ذرات ملنے سے یہ بات واضح ہے کہ چاول کی کاشت سب سے پہلے سندھ میں ہوئی۔

فنون اور دستکاری

موئن جو دڑو سے ملنے والے برتن دریا کی مٹی میں چونا اور ابرق ملا کر بنائے گئے تھے اور اکثر پہیے پر تیار کیے گئے تھے۔ ان میں سرخ مٹی پر سیاہ پالش شدہ برتن بھی شامل تھے۔ کچھ برتن بچوں کو دودھ پلانے کے لیے استعمال ہوتے تھے، جب کہ دیگر زیورات یا غلہ ذخیرہ کرنے کے لیے تھے۔ مٹی کے کھلونے، گلدان، چوڑیاں اور دیگر گھریلو سامان بھی دریافت ہوا۔

امری کے برتنوں پر سیاہ مثلثی ڈیزائن آج کے سندھ کے روایتی نمونوں سے مشابہ ہیں۔ کوٹ ڈیجی کے برتنوں نے ظاہر کیا کہ برتن سازی میں کافی ترقی ہوچکی تھی اور ان پر رنگین نقوش

بھی ملتے ہیں (Khan, 1958)۔ جھکر، نارو اور کوٹ ڈیجی سے کانسی اور تانبے کے بنے ہوئے کلہاڑے، نیزے، خنجر اور زیورات بھی ملے۔

موئن جو دڑو سے گھریلو برتن، چاقو، تیر، اوزار اور زیورات ملے ہیں جو تانبے اور کانسی سے بنے تھے۔ اگرچہ یہ اوزار کارآمد تھے لیکن بڑے پیمانے پر جنگ کے لیے موزوں نہ تھے۔ یہاں سے ڈانسر کا مجسمہ، بیل اور بکریوں کے ماڈل، اور ہاتھی دانت کی اشیاء بھی ملی ہیں، جو تہذیبی اور فنی ترقی کی علامت ہیں۔

شکار اور مویشی بانی

وادی سندھ کے لوگ پالتو اور جنگلی دونوں طرح کے جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ شکار عام رواج تھا، جیسا کہ مہروں پر تیر کمان سے شکار کرتے ہوئے مناظر سے ظاہر ہے۔ موئن جو دڑو سے تیر اور مٹی کے گولے ملے ہیں جو پرندوں کے شکار کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہاں بڑی تعداد میں مچھلی پکڑنے کے کانٹے بھی ملے ہیں۔ کھدائی سے گائے، بکری، بھیڑ اور مچھلی کی ہڈیاں بھی ملی ہیں، جو گوشت کے استعمال کی تصدیق کرتی ہیں۔

نتیجہ

وادی سندھ کی تہذیب کی معیشت کی بنیاد زراعت، دستکاری، کپڑے کی صنعت اور گاڑیوں پر مبنی تجارت پر تھی۔ گندم، جو، چاول اور کپاس کی کاشت کے ساتھ ساتھ برتن سازی، دھات کاری اور بُنائی کی صنعتیں ترقی یافتہ تھیں، جو پیشہ ورانہ مہارت اور اختراع کی اعلیٰ مثال ہیں۔ شکار اور ماہی گیری کا انضمام بھی ان کی معیشت کا حصہ تھا، جو اس تہذیب کے باسیوں کی عملی بصیرت اور ہمہ گیریت کو ظاہر کرتا ہے۔

حوالہ جات

- Khan, F. A. (1958). *Preliminary Report on Kot Diji Excavation, 1956–58*. Department of Archaeology, Pakistan.
- Marshall, J. (1931). *Mohenjo-daro and the Indus Civilization* (Vol. 1). London: Arthur Probsthain.

- Panhwar, M. H. (2013). *Sindh ji Rejani Tareekh* [Regional History of Sindh]. Karachi: Endowment Fund Trust.
- Qasmi, M. R. (1967). *Sindhi Rasalo Rahim*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

کیا سائنس کی جنم بھومی وادئ سندھ تھی؟

آثارِ قدیمہ کے شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ **موئن جو دڑو** کے باشندے تقریباً 2500 قبل مسیح میں **پتھریلے کیلنڈر** استعمال کرتے تھے تاکہ وہ **مون سون کی ہواؤں** اور **دریائے سندھ میں آنے والے سیلابوں** کا پہلے سے اندازہ لگا سکیں۔ فِن لینڈ کی ماہرِ آثارِ قدیمہ ڈاکٹر اریکا مائولا (Érika Maijala) کے مطابق یہ پتھر دنیا کے اولین **سائنسی آلات** تھے (ہلال پاکستان، 1983)۔ ان کے مطابق سائنس کی جنم بھومی نہ مصر تھی اور نہ میسوپوٹیمیا بلکہ **سندھ** تھی۔

موئن جو دڑو اور ہڑپہ سے ملنے والے یہ پتھر گول، چھلّے نما اور مخروطی شکل کے تقریباً 40 سے 45 سینٹی میٹر قطر اور 40 کلوگرام وزن کے ہوتے تھے۔ ان پتھروں کے دونوں اطراف سوراخ اور ان کی سطح پر کندہ نشانات موجود ہیں، جنہیں کیلنڈر اور **فلکیاتی آلات** دونوں مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کی مدد سے سورج کے طلوع و غروب، ستاروں کی ظاہری و غیابی حالت اور زمینی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا (ہلال پاکستان، 1984)۔

روس کے ریاضی دان آئی۔ ای۔ وولدرووسکی (1984) نے بخارسٹ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں پیش کی گئی تحقیق میں بتایا کہ کمپیوٹر کے ذریعے **موئن جو دڑو کی مہروں** کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ وادئ سندھ کے باشندوں کو **علمِ فلکیات** میں گہری مہارت حاصل تھی۔ اسی طرح ماہرین کے

مطابق سندھ کے قدیم باشندوں نے سب سے پہلے **گنتی، وزن اور پیمائش** کا فن ایجاد کیا۔ مٹی کی گولیاں اور پیمائش کے پتھر اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ حساب و کتاب کے ماہر تھے اور بیس (20) کے نظام سے گنتی کرتے تھے (Graersen, 1912)۔

مزید یہ کہ کینیڈا کے ریاضی دان ڈاکٹر برائن ویلز (Dr. Bryan Wells) نے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف میتھمیٹیکل سائنس کے تعاون سے کی گئی تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا کہ وادئ سندھ میں دنیا کا سب سے قدیم اور منظم **معاشی نظام** موجود تھا۔ اس میں پیمائش، قیمتوں کا تعین اور اجرت کی ادائیگی (اجناس و اشیاء کی صورت میں) جیسے اصول شامل تھے (Wells, 2009)۔

امریکی-سندھی محقق پروین ٹالپر (1995) نے اپنی تحقیق میں یہ ثابت کیا کہ موئن جو دڑو کی رسم الخط (اسکرپٹ) دراصل **جیومیٹریائی نمونوں** پر مشتمل ہے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وادئ سندھ کے لوگ **ہندسیات (Geometry)** سے بھی واقف تھے۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ وادئ سندھ کی تہذیب نہ صرف دنیا کی اولین شہری تہذیب تھی بلکہ اسے **سائنس کی جنم بھومی** بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

حوال□ جات

- Graersen. (1912). *Linguistic Survey of India* (Vol. 1, Part 1, pp. 35–132). Calcutta: Government Printing.

- □لال پاکستان□ (31 دسمبر 1983). کراچی□
- □لال پاکستان□ (21 دسمبر 1984). کراچی□
- Talpur, P. (1995). *Evidence of Geometry in Indus Valley Civilization 2500–1500 B.C.* Sindhology Department, University of Sindh, Jamshoro.
- Wells, B. (2009). Indus Valley's Bronze Age civilisation 'had first sophisticated financial exchange system'. *The Telegraph.* Retrieved from http://www.telegraph.co.uk/news/worldnews/asia/india/6584160/

وادی سندھ کی تہذیب کی مہریں: شناخت اور اختراع کا ورثہ

وادی سندھ کی تہذیب کی سب سے شاندار تخلیقات میں سے ایک اس کی مہریں ہیں— چھوٹی مگر نفیس طور پر تراشی گئی اشیاء، جو اس قدیم شہری تہذیب کی سماجی، اقتصادی اور فنی زندگی پر گہری روشنی ڈالتی ہیں۔ موہن جو دڑو، ہڑاپا اور سندھ کے دیگر مقامات سے دریافت شدہ یہ مہریں شناخت، کاریگری اور ابلاغ کی علامت کے طور پر آج بھی زندہ ہیں (Jyothsna, 2025)۔

مواد اور کاریگری

زیادہ تر مہریں اسٹیٹائٹ (steatite) نامی نرم پتھر سے بنائی گئی تھیں، جس پر نقش و نگار آسانی سے تراشے جا سکتے تھے۔ تراشنے کے بعد ان پر سفید قلوی تہہ چڑھائی جاتی اور انہیں آگ میں پکایا جاتا—یہ عمل مواد اور بھٹی کی ٹیکنالوجی میں مہارت کو ظاہر کرتا ہے (Hirst, 2019)۔

- **سائز اور شکل**: مہریں عام طور پر 1.5 سے 2.5 انچ کے درمیان ہوتی تھیں، جن میں 1x1.5 یا 2x2 انچ کے سائز عام تھے۔
- **ڈیزائن**: زیادہ تر مہریں چوکور شکل کی ہوتی تھیں، جن پر جانوروں کی تصاویر اور تحریریں نقش ہوتی تھیں۔ مستطیل مہریں صرف تحریر پر مشتمل ہوتی تھیں۔
- **استعمال**: چوکور مہروں کے پیچھے دو سوراخ دار کنڈے ہوتے تھے، جبکہ مستطیل مہروں میں درمیان میں سوراخ ہوتا تھا—جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہیں پہنا یا لٹکایا جاتا تھا، شاید شناخت یا انتظامی مقاصد کے لیے (Jyothsna, 2025)۔

علامتیں اور تحریر

ان مہروں پر مختلف جانوروں کی تصاویر نقش تھیں—بیل، ہاتھی، گینڈا، اور مشہور "یونی

کارن"—جو ممکنہ طور پر قبیلوں، پیشوں یا روحانی عقائد کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان تصاویر کے ساتھ یا اوپر وادی سندھ کی تحریر بھی درج ہوتی تھی، جو آج تک ناقابلِ فہم ہے، مگر ایک ترقی یافتہ ریکارڈنگ یا مذہبی ابلاغ کے نظام کی طرف اشارہ کرتی ہے (Hirst, 2019; Rao et al., 2009)۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اکثر مہریں الٹی تراشی جاتی تھیں (intaglio)، تاکہ جب انہیں مٹی یا نرم سطح پر دبایا جائے تو تصویر سیدھی نظر آئے۔ یہ تکنیک جدید اسٹامپ سازی سے مشابہ ہے اور ان کے تجارتی، ملکیتی یا سرکاری استعمال کی طرف اشارہ کرتی ہے (Jyothsna, 2025)۔

سماجی اہمیت

مہروں کی بڑی تعداد اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ عام استعمال میں تھیں—شاید ہر فرد یا خاندان کے پاس اپنی مہر ہوتی تھی۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس معاشرے میں ذاتی شناخت، جائیداد اور بیوروکریسی کا نظام موجود تھا۔ مہریں درج ذیل مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں:

- **تجارتی نشانات** مال اور تاجروں کے لیے
- **انتظامی آلات** ریکارڈ رکھنے کے لیے
- **ذاتی علامتیں** حیثیت یا نسب کی شناخت

- **مذہبی اشیاء** علامتی یا روحانی مقصد کے لیے (Jyothsna, 2025)

ورثہ اور تشریح

اگرچہ وادی سندھ کی تحریر آج تک سمجھ میں نہیں آئی، مگر یہ مہریں ماہرین آثارِ قدیمہ، مورخین اور لسانیات کے لیے دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ یہ صرف پتھر کی اشیاء نہیں بلکہ ایک ایسی تہذیب کی خاموش گواہ ہیں جو ترتیب، علامت اور فنی مہارت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی (Hirst, 2019)۔

ان مہروں کا مزید مطالعہ شاید ایک دن وادی سندھ کی زبان اور حکمرانی کے رازوں کو بے نقاب کر دے، اور یہ واضح کرے کہ قدیم سندھ نے انسانی تہذیب کی بنیادوں میں کیا کردار ادا کیا (Rao et al., 2009)۔

حوالہ جات

- Hirst, K. K. (2019). *Archeology of Indus Civilization Script and Seals*. ThoughtCo. Retrieved from https://www.thoughtco.com/seals-and-the-indus-civilization-script-171330
- Jyothsna, T. S. (2025). *Ancient India's Use of Seals: A Descriptive Study*. International Journal of Creative Research Thoughts. Retrieved from https://ijcrt.org/papers/IJCRT2505747.pdf
- Rao, R. P. N., Yadav, N., Vahia, M. N., & Mahadevan, I. (2009). *A Markov model of the Indus script*. *Science*, 324(5925), 1165. https://doi.org/10.1126/science.1170391

وادی سندھ کی تہذیب کا بحری تجارتی ورثہ

کھوکھلی لکڑی کی کشتیوں سے سمندری جہازوں تک

وادی سندھ کی تہذیب (2600–1900 قبل مسیح) نہ صرف شہری منصوبہ بندی اور دستکاری میں مہارت رکھتی تھی بلکہ بحری تجارت میں بھی پیش پیش تھی۔ جب کہ فنیقی قوم کو طویل عرصے تک جہاز رانی کا موجد سمجھا جاتا رہا، سندھ میں آثارِ قدیمہ کی دریافتوں نے یہ نظریہ بدل دیا ہے۔ ان دریافتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سندھ کے لوگ فنیقیوں سے بہت پہلے سمندری سفر، جہاز سازی اور بین الاقوامی تجارت میں مہارت رکھتے تھے (Hall, 1928; Hitti, 1951)۔

ابتدائی کشتیاں اور دریا کے راستے سفر

ماقبل تاریخ میں انسانوں نے بڑے درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کر کے چھوٹی کشتیاں بنائیں۔ پتھریلی کلہاڑیوں اور اوزاروں سے تراش کر یہ کشتیاں شکار اور دریاؤں و جھیلوں کے ذریعے ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک سفر کے لیے استعمال ہوتی تھیں (Anonymous, n.d.)۔

فنیقی نظریے کو چیلنج

روایتی طور پر فنیقیوں—جنہیں کنعانی بھی کہا جاتا ہے—کو پہلا سمندری قوم مانا جاتا تھا، جو شام، لبنان اور اسرائیل کے ساحلی علاقوں میں آباد تھے۔ مگر سندھ میں کی گئی کھدائیوں سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بحری سرگرمیاں فنیقیوں کے ظہور سے پہلے ہی وادی سندھ میں موجود تھیں۔ بعض ماہرین کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ فنیقی تہذیب کے بانی دراصل سندھ سے ہجرت کر کے گئے لوگ تھے، جو اپنے ساتھ جہاز رانی کا علم بھی لے گئے (Hall, 1928)۔

ڈاکٹر ایچ آر ہال کے مطابق سندھ کے ملاحوں کا تجارتی دائرہ دکن، سری لنکا، ہندوستان، چین، ایران، عراق، یمن اور مصر تک پھیلا ہوا تھا۔ بابل اور نینوا کی تختیوں میں وادی سندھ اور سومر کے درمیان قریبی تعلقات کا ذکر موجود ہے (Hall, 1928)۔

میسوپوٹیمیا میں اساطیری ملاقاتیں

جب سندھ کے تاجر سومر پہنچے تو وہاں کے باشندے—جو جہازوں سے ناواقف تھے—ان کو "اوئنس" کہنے لگے، یعنی وہ مخلوق جو انسان اور مچھلی کا امتزاج ہو۔ بابل کی تحریروں میں ان تاجروں کو عجیب و غریب مخلوق کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جن کی پوشاک اور جہازوں نے مقامی لوگوں کو حیران کر دیا (Siecus, n.d.)۔

ہڑپہ کے بندرگاہی مراکز اور جہاز سازی

ستکگین دور اور شادی کور سندھ اور میسوپوٹیمیا کے درمیان دو اہم بندرگاہی مراکز تھے۔ لوثل کی کھدائی سے ایک پکی اینٹوں سے بنی گودی دریافت ہوئی، جو جہاز سازی اور بندرگاہی انجینئرنگ میں مہارت کی علامت ہے (Stein, 1931; Wheeler, 1947)۔

تجارتی نیٹ ورک اور شہری منصوبہ بندی

اسٹوئرٹ پگٹ نے موہن جو دڑو جیسے شہروں میں اینٹوں، برتنوں اور رسم الخط کی یکسانیت کو ایک طاقتور تجارتی طبقے کی موجودگی کا ثبوت قرار دیا، جس نے اندرون ملک

راستے اور بیرون ملک تجارتی مراکز قائم کیے (Piggott, 1950)۔

بابل کی تحریروں میں سندھ کی اعلیٰ معیار کی ململ—جسے "سندھو" کہا جاتا تھا—کا ذکر ملتا ہے، جو بیرونی اشیاء کے بدلے برآمد کی جاتی تھی۔ سندھ کے تاجر مصالحے، ناریل اور خوشبوئیں بھی برآمد کرتے تھے (Majumdar, 1955)۔

صدفی تجارت اور صنعتی تبادلہ

کلیفورنیا یونیورسٹی کے ڈاکٹر جوناتھن مارک نے ثابت کیا کہ وادی سندھ کے باشندے افغانستان، میسوپوٹیمیا اور ایران کے ساتھ صدف اور زیورات کی تجارت سمندری راستوں سے کرتے تھے۔ مکران میں 6,000 سال پرانا صدفی ہار اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے (Mark, 1981)۔

نایاب اشیاء کی برآمد

ململ کے علاوہ، سندھ سے دوائیں، سلاجیت، ہاتھی دانت اور جانور بھی برآمد کیے جاتے تھے۔ بندر، مور اور ہاتھی دانت بیت المقدس تک لے جائے جاتے تھے (Shaidai, n.d.)۔

حوالہ جات

- Anonymous. (n.d.). *Insaan baraa kaise bana* (158–156 ص)۔
- Hall, H. R. (1928). *Ancient History of the Near East* (174–171 ص)۔
- Hitti, P. K. (1951). *History of Syria* (100 ص)۔
- Siecus. (n.d.). *History of Persia*, جلد 1 (ص 6)۔
- Stein, A. (1931). *Archaeological Tour of Gedrosia*. کلکتہ (ص 71)۔
- Wheeler, S. M. (1947). *Indus Civilization* (52–51 ص)۔
- Piggott, S. (1950). *Prehistoric India*۔
- Majumdar, R. C. (1955). *History and Culture of the Indian People*, جلد 2 (ص 611–612)۔
- Mark, J. (1981, 7 نومبر). *Shell Trade in the Indus Valley*. یونیورسٹی آف کیلیفورنیا۔ عبرت۔
- Shaidai, M. (n.d.). *Tamaddun-e-Sindh* (29 ص)۔

وادی سندھ کی تہذیب کی پر دَیسی تجارت

کثیر الثقافتی تبادلے، بحری نیٹ ورک اور تکنیکی جدت

وادی سندھ کی تہذیب (2600–1900 قبل مسیح) تجارت، ثقافت اور سائنسی ترقی کا ایک متحرک مرکز تھی۔ آثارِ قدیمہ اور تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تہذیب کے لوگ مختلف اشیاء برآمد کرتے تھے اور میسوپوٹیمیا، مصر، وسطی ایشیا اور دیگر خطوں کے ساتھ وسیع تجارتی روابط رکھتے تھے۔

ابتدائی برآمدات اور عالمی رسائی

3000 قبل مسیح میں کوٹ دجي جیسے شہر سے کپاس، لکڑی اور مہندی میسوپوٹیمیا کو برآمد کی جاتی تھی۔ مصر کے فرعون سندھ کی مہندی استعمال کرتے تھے، جس کی تصدیق قدیم ممیوں پر پائے جانے والے آثار سے ہوتی ہے (Panhwar, 2011)۔

مصنف کے ایم سین کے مطابق وادی سندھ کے بانی چاندی، تانبے، قلعی اور پیتل کے استعمال

میں ماہر تھے، اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک فعال تجارتی طبقہ موجود تھا، اور وہ مختلف فنون و ہنر میں ماہر تھے۔ چانہو دڑو کو "زیورات کا شہر" کہا جاتا تھا، جہاں سونے، چاندی اور تانبے سے زیورات تیار کیے جاتے تھے (Panhwar, 2011)۔

جاپانی تحقیق اور شہری نیٹ ورک

کیوٹو یونیورسٹی کے پروفیسر ایمیریٹس توشاکی اوسادا کی سربراہی میں پانچ سالہ تحقیق کے دوران 40 بین الاقوامی محققین نے وادی سندھ کے دو قدیم مقامات کی کھدائی کی۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ وادی سندھ کے شہروں کے درمیان ایک غیر مرکزی تجارتی نیٹ ورک موجود تھا، جس نے کثیر الثقافتی اور کثیر لسانی روابط کو فروغ دیا (Osada, 2013)۔

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وادی سندھ کے شہر کسی مرکزی حکومت کے تحت تھے، لیکن اوسادا کی ٹیم نے ثابت کیا کہ مختلف برادریاں باہمی احترام، ثقافت، زبان اور اقتصادی مفادات کی بنیاد پر جڑی ہوئی تھیں۔ پانچ اہم شہری مراکز میں گنویر والا (پاکستان)، ڈولا ویرا (گجرات)، راکھی گڑھی (ہریانہ)، موہن جو دڑو اور ہڑاپا شامل تھے (Nikkei Asia, 2013)۔

ہوسی یونیورسٹی کے پروفیسر ہیدیئاکی مائیموکو کے مطابق وادی سندھ کے شہر صرف

بڑے دریاؤں کے کنارے ہی نہیں بلکہ چھوٹے قدرتی ندی نالوں کے قریب بھی آباد تھے، جن میں سے کئی اب ختم ہو چکے ہیں ڈولا ویرا سے ایسے شواہد ملے ہیں جو میسوپوٹیمیا کے ساتھ بحری تجارت کی تصدیق کرتے ہیں (Nikkei Asia, 2013)۔

نقل و حمل اور تجارتی ڈھانچہ

موہن جو دڑو ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ وہاں سے بیل گاڑیوں اور جانوروں کی ہڈیوں کے آثار ملے ہیں، جو سامان کی نقل و حمل میں استعمال ہوتے تھے۔ مہروں پر کشتیوں کی تصاویر اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ یہاں کے لوگ آبی جہاز سازی اور نیویگیشن میں ماہر تھے (Kenoyer, 1986)۔

سامان کی ترسیل بیل گاڑیوں، کشتیوں اور قدرتی نہروں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ سندھ ندی بحری سفر کے لیے موزوں تھی، اور لکڑی کی بڑی کشتیوں کے ذریعے ایک شہر سے دوسرے شہر سامان منتقل کیا جاتا تھا۔ اگرچہ لکڑی وقت کے ساتھ ختم ہو گئی، لیکن مہروں پر کشتیوں کی تصاویر اس کی موجودگی کا ثبوت ہیں۔

درآمدات اور تجارتی راستے

وادی سندھ میں کئی ایسی اشیاء درآمد کی جاتی تھیں جو مقامی طور پر دستیاب نہیں تھیں، جیسے:

- **سنگِ مرمر** – راجپوتانہ
- **سونا** – جنوبی ہندوستان، افغانستان، ایران
- **چاندی** – جنوبی ہندوستان، افغانستان، آرمینیا
- **تانبا** – جنوبی ہندوستان، راجپوتانہ
- **قلعی** – افغانستان، ایران
- **فیروزی** – ایران، خراسان
- **سنگِ جراحت** – کاٹھیاواڑ، بلوچستان
- **یاقوت** – جنوبی ہندوستان
- **سلیٹ** – راجپوتانہ
- **عقیق** – راجپوتانہ، کاٹھیاواڑ، کشمیر (Panhwar, 2011)

نقل و حمل میں تکنیکی جدت

وادی سندھ کی معیشت تجارت پر مبنی تھی، جس نے نقل و حمل میں جدت کو جنم دیا۔ یہ دنیا کی پہلی تہذیب تھی جس نے پہیے کو نقل و حمل کے لیے استعمال کیا، اور بیل گاڑی ایجاد کی—جو ایک بڑی سائنسی پیش رفت تھی۔ پیٹراگلیا اور آلچن کے مطابق وادی سندھ کے باشندوں نے تجارت کے لیے بیل گاڑیاں اور کشتیاں تیار کیں (Petraglia & Allchin, 2007)۔

چھوٹی کشتیاں، جیسی آج بھی سندھ ندی میں مچھیرے استعمال کرتے ہیں، عام تھیں۔ لوتھل کی کھدائی سے بندرگاہ اور قدرتی نہری نظام کے شواہد ملے ہیں، جو اندرونِ ملک آبی ترسیل کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

تانبے کا دور (Copper Age) وادی سندھ میں تقریباً 4300 قبل مسیح میں شروع ہوا، جس دوران یہاں کے لوگ ترکمانستان اور جنوبی ایران کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ ان علاقوں سے ملنے والے آثار اس بات کی تصدیق کرتے ہیں (Petraglia & Allchin, 2007)۔

حوالہ جات

- Panhwar, M. H. (2011). *Six thousand years of history of irrigation in Sindh* (PDF Edition).
- Osada, T. (2013). *Indus: Exploring the Fundamental World of South Asia* and *The Riddle of the Indus Civilization*. Kyoto University Press.
- Nikkei Asia. (2013). جاپانی محققین نے وادی سندھ کی تہذیب کے رازوں سے پردہ اٹھایا
- Kenoyer, J. M. (1986). *Mohenjo-Daro*. حاصل شدہ از http://www.mohenjodaro.net

- Petraglia, M. D., & Allchin, B. (2007). *The Evolution and History of Human Populations in South Asia*. نیدرلینڈز: Springer. حاصل شدہ از [Google Books]

وادی سندھ کی زبان اور رسم الخط کی ابتدا

قدیم تہذیبوں کے آثار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان نے تحریر سے پہلے تصویروں کے ذریعے خیالات کا اظہار کرنا سیکھا۔ ابتدائی دور میں انسان نے اشکال بنا کر آوازوں، اعمال اور

تصورات کو ظاہر کیا۔ اس تصویری اظہار کو *پکٹوگرافی* کہا جاتا ہے، جو میسوپوٹیمیا، مصر اور خاص طور پر وادی سندھ کی تہذیب میں تحریر کی ابتدائی صورت کے طور پر سامنے آیا (Miller, 2016)۔

پکٹوگرافی میں ہر آواز یا تلفظ کے لیے ایک مخصوص تصویر استعمال ہوتی تھی، جنہیں ملا کر جملے یا پیغام بنایا جاتا تھا۔ مثلاً اگر دکھانا ہو کہ ایک آدمی نے شیر کو مارا، تو شیر کی تصویر کے ساتھ آدمی کو کھڑا دکھایا جاتا، اور شیر کے پیٹ میں نیزہ آرپار دکھایا جاتا۔ شیر کی تصویر اس انداز میں ہوتی کہ وہ تکلیف میں مر رہا ہو۔ اس قسم کے تصویری اظہار سے ہی رسم الخط کی بنیاد پڑی۔ اگر انسان نے ابتدائی دور میں مصوری نہ سیکھی ہوتی تو وہ تحریر کا فن ایجاد نہ کر پاتا (Langdon, 1931)۔

سندھ کے آثار، خاص طور پر آمری کی کھدائی میں، ایسے برتن دریافت ہوئے ہیں جن پر تحریری نشانات دیکھنے کو ملے ہیں۔ یہ نشانات آمری کی ابتدائی تہوں سے لے کر شہری تہذیب (موہن جو دڑو) تک موجود ہیں، جن میں 39 نمونے ملے ہیں۔ ان میں سے کئی موہن جو دڑو کی تحریر سے مشابہت رکھتے ہیں (Possehl, 1996)۔

اسی دور میں جب میسوپوٹیمیا میں *کیونیفارم* اور مصر میں *ہیروگلیفک* رسم الخط رائج تھا، وادی سندھ میں تصویری رسم الخط استعمال ہو رہا تھا۔ مارک ملر کے مطابق، وادی سندھ کے شہری مراکز سے مہروں، تختیوں، پتھروں اور

دھاتوں پر 985 سے زائد نشانات دریافت ہوئے ہیں، جو اب تک ناقابلِ فہم ہیں۔ اسی وجہ سے وادی سندھ کے لوگوں کی بولی آج بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے (Miller, 2016)۔

وادی سندھ کی تصویری رسم الخط کا اثر مغربی ایشیا کی تہذیبوں پر بھی پڑا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ سمیرین، جو وادی سندھ کے لوگوں سے قریبی تعلق رکھتے تھے، انہوں نے اس رسم الخط کو اپنایا اور اپنی زبان کے لیے نئے صوتیاتی انداز دیے۔ موہن جو دڑو کی کھدائی سے پہلے ماہرین کا خیال تھا کہ تحریر کا فن سب سے پہلے میسوپوٹیمیا کے شہر *اریک* میں 3500 قبل مسیح کے قریب ایجاد ہوا، جہاں جرمن ماہرین نے مٹی کی تختیوں پر تصویری تحریریں دریافت کیں (Woolley, 1934)۔

مختلف تہذیبوں کی تحریروں کا تقابلی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وادی سندھ کی رسم الخط اور سمیر، ہٹائٹ، مصر کی قدیم تحریروں میں گہری مماثلت موجود ہے۔ ایشیا مائنر سے ہٹائٹ تہذیب کی تحریر، اور مصر سے سر پیٹرا کی دریافت کردہ تحریر، وادی سندھ کی رسم الخط سے مشابہت رکھتی ہیں۔ بحرالکاہل کے جزائر، خاص طور پر ایسٹر آئی لینڈ سے ملی تحریر بھی وادی سندھ کی رسم الخط سے مشابہت رکھتی ہے، جو اس تہذیب کے عالمی اثرات کی گواہی دیتی ہے (Langdon, 1931)۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایس۔ لینگڈن کا خیال ہے کہ موہن جو دڑو کے لوگ

بحرالکاہل سے آمد و رفت رکھتے تھے، اور ایسٹر آئی لینڈ کی تحریر دراصل وادی سندھ کی رسم الخط کی ہی شاخ ہے۔ اسی طرح، امریکہ کی مایا تہذیب کی تحریر میں بھی وادی سندھ کی رسم الخط سے گہری مماثلت پائی گئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھی لوگ بہت دور تک ہجرت کر گئے تھے اور اپنی زبان و رسم الخط کو عام کیا (Langdon, 1931; Kramer, 1963)۔

وادی سندھ کی تہذیب کے عروج کے دور میں کئی لوگ دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ کچھ پنجاب کی راہ سے شمالی ہندوستان میں پھیل گئے، کچھ ایران اور اس کے آس پاس کے ممالک میں آباد ہوئے، اور کچھ قبائل سمندر کے راستے سمیر، بابل، نینوا اور فونیقیا تک پہنچے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ فونیقی یا پونی لوگ وادی سندھ کے باشندوں کی اولاد تھے، جنہوں نے یورپی زبانوں کے حروفِ تہجی کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان میں برہمی رسم الخط بھی وادی سندھ کی تصویری رسم الخط سے ہی وجود میں آیا (Woolley, 1934; Kramer, 1963)۔

لسانی ماہرین اب اس بات پر متفق ہیں کہ سمیرین رسم الخط کی کئی علامات وادی سندھ کی تصویری علامات سے لی گئی ہیں، جنہیں سمیرین لوگوں نے اپنی زبان کے صوتیاتی انداز دے کر لکھنا شروع کیا۔ لینارڈ وولی اور نوحا کریمر کا خیال ہے کہ سمیرین مشرق سے آ کر دریائے فرات کے کنارے آباد ہوئے۔ ہیروڈوٹس بھی اس رائے کا حامی ہے کہ فونیقی لوگ بحیرہ ہند کے ساحل

سے کشتیوں کے ذریعے آئے تھے۔ بائبل کے مطابق حضرت نوح کی اولاد مشرق سے شنار (بابیل) پہنچی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ سندھی تھے، کیونکہ اس دور میں مشرق میں صرف سندھ ہی تہذیبی طور پر ترقی یافتہ تھا (Herodotus, ca. 440 BCE; Kramer, 1963)۔

یہ قبائل اپنی اصل زبان، رسم الخط، مہریں اور تحریریں ساتھ لے کر گئے۔ وقت کے ساتھ انہوں نے ان علامات کو نئی معنویت اور نئے تلفظ دے کر نئی رسم الخطیں ایجاد کیں۔ ہٹائٹ زبان میں نہ صرف علامات وہی ہیں، بلکہ کئی الفاظ بھی سندھی زبان سے مشابہت رکھتے ہیں، حالانکہ ہٹائٹ تہذیب موہن جو دڑو کے دور سے تقریباً 2500 سال بعد کی ہے (Possehl, 1996)۔

حوالہ جات

- Herodotus. (ca. 440 BCE). *Histories*.
- Kramer, N. (1963). *The Sumerians: Their History, Culture, and Character*. University of Chicago Press.
- Langdon, S. (1931). *The Indus Script and Its Global Connections*. Oxford University Press.

- Miller, M. (2016). *The Indus Valley Civilization and Its Undeciphered Script*. Ancient Origins.
- Possehl, G. L. (1996). *The Indus Age: The Writing System*. University of Pennsylvania Press.
- Woolley, L. (1934). *Ur of the Chaldees: A Record of Seven Years of Excavation*. Ernest Benn Limited.

وادی سندھ کی زبان اور رسم الخط پر ماہرین میں اختلاف

وادی سندھ کی تہذیب کے باشندوں کی زبان کے بارے میں لسانی ماہرین کے درمیان شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ موہن جو دڑو سمیت دیگر آثارِ قدیمہ سے

ملنے والی تحریروں کا تاحال ناقابلِ فہم ہونا ہے۔ وادی سندھ کے لوگ بڑے دستاویزات کے لیے پتھر، چمڑے، کپڑے کے ٹکڑوں اور لکڑی کی تختیوں کا استعمال کرتے تھے، جو وقت کے ساتھ گل سڑ کر ختم ہو گئے۔ اس لیے اس دور کی زبان اور رسم الخط کے بارے میں بہت کم شواہد دستیاب ہیں۔ جو مہریں اور دیگر تحریری اشیاء ملی ہیں، وہ بھی محدود اور نامکمل ہیں۔ کچھ تختیاں اور مہریں ٹوٹ چکی ہیں، اور بعض پر صرف ایک یا دو علامتیں ہی نظر آتی ہیں۔

کیا وادی سندھ کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے؟ ایک مفروضہ

کچھ ماہرین نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ وادی سندھ کے آثار سے ملنے والی علامتیں دراصل کوئی تحریر یا زبان نہیں بلکہ غیر لسانی علامات ہیں۔ ان ماہرین میں رچرڈ سپروٹ (Richard Sproat)، مائیکل وٹزل (Michael Witzel)، اور اسٹیو فارمر (Steve Farmer) شامل ہیں، جنہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ وادی سندھ کے باشندوں کے پاس کوئی تحریری نظام موجود تھا۔ ان کے مطابق، وادی سندھ کے لوگ ناخواندہ تھے اور ان کے پاس کوئی رسم الخط نہیں تھا (Farmer, Sproat, & Witzel, 2004)۔

ان ماہرین کا کہنا ہے کہ ان علامات کو رسم الخط کہنا بند کر دینا چاہیے، کیونکہ یہ صرف مذہبی، سیاسی یا سماجی علامات تھیں جن کا زبان یا یادداشت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ان کے مطابق، چونکہ وادی سندھ سے کوئی طویل تحریری متن نہیں ملا، اس لیے یہ علامات کسی تحریری نظام کی نمائندگی نہیں کرتیں۔ وہ اس مفروضے کو بھی رد کرتے ہیں کہ دنیا کا پہلا حروفِ تہجی وادی سندھ میں ایجاد ہوا۔

تحریری نظام کی موجودگی: ایک متبادل نقطہ نظر

قدیم تحریروں کے ممتاز ماہر آسکو پرپولا (Asko Parpola) نے فارمر، سپروٹ اور وٹزل کے اس نظریے کو مسترد کیا ہے۔ ان کے مطابق، وادی سندھ کے باشندوں کے پاس ایک تحریری نظام موجود تھا۔ صرف مختصر تحریروں کی بنیاد پر ان علامات کو رسم الخط کا درجہ نہ دینا غیر منطقی ہے۔ اگرچہ وادی سندھ کی تحریریں اوسطاً پانچ علامات پر مشتمل ہوتی ہیں، یہ مختصر جملوں یا اسم فقروں کے اظہار کے لیے کافی ہیں۔ پرپولا کے مطابق، مصری رسم الخط بھی اکثر دو یا تین علامات پر مشتمل ہوتا تھا، جسے رسم الخط کا درجہ حاصل تھا (Parpola, 1994)۔

انہوں نے اس دلیل کو بھی رد کیا کہ چونکہ وادی سندھ سے قلم یا برش نہیں ملے، اس لیے وہاں تحریری نظام موجود نہیں تھا۔ پرپولا کے مطابق، یہ ممکن ہے کہ لکھنے کے اوزار موجود رہے ہوں، لیکن وقت کے ساتھ گل سڑ کر ختم ہو

گئے ہوں۔ ہڑاپا کے برتنوں پر کندہ تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ برش استعمال کرتے تھے۔ سرکوٹادا اور بالا کوٹ سے ملنے والی چوڑیوں اور دیگر اشیاء سے بھی برش کے استعمال کے شواہد ملتے ہیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ میسوپوٹیمیا جیسی خواندہ تہذیب سے تجارتی تعلق رکھنے والے وادی سندھ کے تاجر اور اشرافیہ اپنا کوئی تحریری نظام نہ رکھتے ہوں؟ ماہرین کا ماننا ہے کہ وادی سندھ کے لوگ ضرور طویل تحریریں لکھتے تھے، جو کپڑے، چمڑے یا دیگر ناپائیدار اشیاء پر لکھی گئی تھیں اور محفوظ نہ رہ سکیں۔ صرف وہی تحریریں محفوظ رہیں جو مہروں اور مٹی کے برتنوں پر تھیں۔

پرپولا کے مطابق، وادی سندھ کی علامات صرف ایک مقام سے نہیں بلکہ تہذیب کے مختلف علاقوں سے ملی ہیں، اور ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان علامات میں کوئی معنی اور مفہوم موجود تھا، اور انہیں دور دراز علاقوں میں تجارت یا انتظامی امور کے لیے استعمال کیا جاتا تھا (Parpola, 1994)۔

دیگر ماہرین کی تائید

مشہور ماہرِ آثارِ قدیمہ ماسیمو وڈیلے (Massimo Vidale) نے بھی فارمر، سپروٹ اور وٹزل کے نظریے کو مسترد کیا ہے۔ ان کے مطابق،

یہ نظریہ مفروضوں اور قیاس آرائیوں پر مبنی ہے، اور ان کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وادی سندھ کے باشندوں کے پاس ایک تحریری نظام موجود تھا (Vidale, 2007)۔

بھارتی لسانی ماہر مہادیون نے بھی تحقیق کے ذریعے فارمر اور ان کے ساتھیوں کے اس دعوے کو رد کیا کہ وادی سندھ کے لوگ ناخواندہ تھے۔ مہادیون نے اس بحث کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے کہا کہ آثارِ قدیمہ اور لسانیات کے مضبوط شواہد موجود ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ وادی سندھ کی رسم الخط ایک تحریری نظام ہے، جس میں ایک خطے کی زبان موجود ہے (Mahadevan, 2002)۔

حوالہ جات

- Farmer, S., Sproat, R., & Witzel, M. (2004). The collapse of the Indus-script thesis: The myth of a literate Harappan civilization. *Electronic Journal of Vedic Studies*, 11(2), 1–24.
- Mahadevan, I. (2002). *Early Tamil Epigraphy: From the Earliest Times to the Sixth Century A.D.* Harvard University Press.

- Parpola, A. (1994). *Deciphering the Indus Script*. Cambridge University Press.
- Vidale, M. (2007). *The Archaeology of Indus Writing: A View from the West*. In *South Asian Archaeology 2007* (pp. 157–168). British Association for South Asian Studies.

وادی سندھ کی زبان سے متعلق مفروضے

موہنجو دڑو کی کھدائی کے بعد، مختلف ماہرین نے وادی سندھ کی زبان سے متعلق متعدد مفروضے پیش کیے—اکثر ان تحریروں کو سمجھے بغیر جو ان مقامات پر دریافت ہوئیں۔ ان میں سے کئی مفروضے لسانی یا سائنسی بنیادوں سے محروم تھے۔ بعض محققین نے اس زبان کو سامی

زبانوں کی ایک شاخ قرار دیا، جبکہ دیگر نے اسے سنسکرت سے جوڑنے کی کوشش کی۔

یورپی لسانیات دان جب ہندوستان پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے سنسکرت کا مطالعہ کیا۔ محدود تقابلی تجزیے کی بنیاد پر انہوں نے علاقائی زبانوں کو سنسکرت کی اولاد یا بہنیں قرار دینا شروع کیا۔ اگر کسی زبان میں سنسکرت سے معمولی مشابہت بھی پائی جاتی، تو اسے فوراً سنسکرت کی ذیلی زبان قرار دیا جاتا۔ کچھ ماہرین نے سندھی زبان میں تمل، تیلگو اور کنڑ جیسی خصوصیات دیکھ کر اسے دراوڑی زبانوں کے ساتھ جوڑ دیا۔ جبکہ دیگر نے سندھی اور سنسکرت میں مماثلت دیکھ کر سندھی کو سنسکرت سے ماخوذ قرار دیا۔ تاہم، ان دعوؤں کے حق میں کوئی آثار قدیمہ یا لسانی ثبوت موجود نہیں تھے۔ تمل، تیلگو اور کنڑ سے وابستہ تہذیبیں وادی سندھ کی تہذیب کے مقابلے میں کہیں کم عمر اور ابتدائی نوعیت کی معلوم ہوتی ہیں۔

موہنجو دڑو، ہڑپہ اور دیگر وادی سندھ کے مقامات پر کھدائی کے ساتھ ساتھ نئی تحریریں اور دریافتیں سامنے آئیں جنہوں نے ان ابتدائی یورپی نظریات کو چیلنج کیا۔ کچھ ماہرین نے اپنے خیالات پر نظرثانی کی، جبکہ دیگر اپنے نظریاتی تعصبات پر قائم رہے۔ مذہبی عقائد نے بھی تشریحات کو متاثر کیا: ہندو ماہرین نے سندھی کو سنسکرت یا دراوڑی زبانوں سے ماخوذ قرار دیا، جبکہ بعض مسلم ماہرین نے اسے عربی یا سامی زبانوں سے

جوڑنے کی کوشش کی۔ اسی دوران، تمل لسانیات دانوں نے نسلی فخر کی بنیاد پر دعویٰ کیا کہ وادی سندھ کی زبان تمل-دراوڑی تھی۔

پانچ اہم لسانی مفروضے

ماہرین نے سندھی زبان کی اصل سے متعلق پانچ اہم نظریات پیش کیے:

1. **ارنَسٹ ٹرمپ کا نظریہ**: ٹرمپ نے دعویٰ کیا کہ سندھی زبان سنسکرت کی ورچڈا اپبھرمشا بولی سے نکلی ہے۔ یہ نظریہ 150 سال قبل پیش کیا گیا تھا، جسے بعد میں بیشتر ماہرین نے مسترد کر دیا (Trumpp, 1872)۔
2. **جارج گریئرسن کی توسیع**: گریئرسن نے ٹرمپ کے نظریے کی حمایت کی اور اسے سندھ میں مقبول بنایا۔ بھائی بھیرو مل مہرچند آڈوانی نے اس نظریے کو دو کتابوں کے ذریعے فروغ دیا، جن میں سندھی کو شمال مغربی ہند-آریائی گروہ سے جوڑ کر ورچڈا اپبھرمشا پراکرت سے متعلق قرار دیا گیا (Grierson, 1919)۔
3. **ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کا نظریہ**: بلوچ نے تجویز پیش کی کہ سندھی ایک قبل از سنسکرت ہند-آریائی زبان ہے جو وادی سندھ کی قدیم تہذیب سے جڑی ہوئی ہے (Baloch, 1980)۔

4. **ایم کے جیٹلی کا نظریہ**: جیٹلی نے سندھی کو ایک قدیم ہند-آریائی لسانی سلسلے سے ماخوذ قرار دیا (Jetley, 1982)۔
5. **سراج الحق میمن کا نظریہ**: میمن نے دعویٰ کیا کہ سندھی وادی سندھ کی اصل زبان ہے اور سنسکرت سندھی سے ماخوذ ہے، یعنی سنسکرت سندھی کی بیٹی زبان ہے (Memon, 1990)۔
6. **ڈاکٹر غلام علی الانہ کا نظریہ**: الانہ نے کہا کہ سندھی کی جڑیں وادی سندھ کی تہذیب میں ہیں۔ ان کے مطابق سندھی کسی اور زبان سے نہیں نکلی بلکہ یہ وادی سندھ کے لوگوں کی مادری زبان تھی (Allana, 1995)۔

آثار قدیمہ کے شواہد

موہنجو دڑو اور ہڑپہ سے تقریباً 800 مہریں اور تختیاں دریافت ہوئی ہیں جن پر علامتیں، تصاویر اور تحریریں موجود ہیں۔ ان میں سے تقریباً 400 منفرد نشانات کی شناخت کی گئی ہے جو اس دور کی تحریری زبان کی نمائندگی کرتے ہیں (Hunter, 1934)۔

ماہرین جیسے جی آر ہنٹر، میکے، سڈنی اسمتھ اور سی جے گیڈ نے نتیجہ اخذ کیا کہ برہمی رسم الخط موہنجو دڑو کی سندھی تحریر سے نکلا ہے۔ ہنٹر نے یہاں تک تجویز دی کہ

برہمی، سبائی، صفائیتی، قبرصی اور فینیقی رسم الخط سب سندھی رسم الخط سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ سندھیوں کا بحری غلبہ خلیج فارس تک پھیلا ہوا تھا، اور بائبل میں حضرت سلیمان اور بادشاہ حیرام کے درمیان ایک معاہدہ کا ذکر ہے جس کے تحت فینیقی (سندھی) لوگ ایزیون-گیبر میں بستی قائم کر سکے (Hunter, 1934)۔

کمپیوٹیشنل اور لسانی تحقیق

1970 کی دہائی میں فن لینڈ کے ماہرین اسکو پارپولا، سیمو کوسکینیمی، سیمو پارپولا اور پینٹی آلتو نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے موہنجو دڑو کی قدیم تحریر کو سمجھ لیا ہے اور اسے دراوڑی زبان قرار دیا۔ ان کا نتیجہ اس بنیاد پر تھا کہ دراوڑی زبانوں میں سندھی الفاظ موجود ہیں۔ تاہم، انہوں نے اس امکان کو نظر انداز کیا کہ قدیم سندھی نے دراوڑی زبانوں کو متاثر کیا ہو، اور موہنجو دڑو کی زبان دراصل پروٹو-سندھی ہو سکتی ہے (Parpola, 1994)۔

روسی اور فن لینڈ کے ماہرین، جن میں پارپولا اور مہادیون شامل ہیں، نے کمپیوٹیشنل طریقے استعمال کیے تاکہ اس رسم الخط کو سمجھا جا سکے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ موہنجو دڑو کی زبان دراوڑی زبانوں کی ماں ہے۔ پارپولا نے کئی مہروں کی قراءت شائع کی اور کہا کہ وادی سندھ کا رسم الخط دراوڑی خاندان کی زبان سے

تعلق رکھتا ہے۔ تاہم، چونکہ انہوں نے اپنی تحقیق دراوڑی زبانوں پر مبنی کی، وہ ابھی تک رسم الخط کو مکمل طور پر سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

بھارتی لسانیات دان ایراوتھم مہادیون، جو تمل ماہر ہیں، نے بھی تمل اور براہمی کو بنیاد بنا کر وادی سندھ کے رسم الخط کو سمجھنے کی کوشش کی۔ پارپولا کی طرح وہ بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ مہادیون خود اس خیال کو رد کرتے ہیں کہ تمل ناڈو کے لوگ وادی سندھ کے اصل وارث ہیں۔ ان کے مطابق موہنجو دڑو اور ہڑپہ کے موجودہ باشندے ہی اصل وارث ہیں، اگرچہ ان کی زبان اور ثقافت وقت کے ساتھ بدل چکی ہے (Mahadevan, 2002)۔

کمپیوٹیشنل لسانیات اور تعصب

امریکی-بھارتی کمپیوٹر سائنسدان راجیش پی این راؤ، جو یونیورسٹی آف واشنگٹن سے وابستہ ہیں، نے وادی سندھ کے رسم الخط پر کمپیوٹیشنل تحقیق کی ہے۔ راؤ اور ان کے ساتھی، جو جنوبی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، نے اس رسم الخط کی تشریح دراوڑی نقطہ نظر سے کرنے پر توجہ مرکوز کی۔ تاہم، ان کے طریقہ کار میں ہندو مذہبی اور نسلی تعصب کے عناصر واضح طور پر نظر آتے ہیں، جو دراوڑی مفروضہ کے گرد گھومتے ہیں (Rao et al., 2009)۔

راؤ اور ان کی ٹیم کے مطابق، وادی سندھ کا رسم الخط 2600 قبل مسیح سے 1900 قبل مسیح کے درمیان جنوبی ایشیا میں فروغ پذیر رہا۔ اس تہذیب نے تقریباً 4,000 تحریریں چھوڑی ہیں، جو مہروں، تختیوں، مٹی کے برتنوں، پتھریلے برتنوں، تانبے کی اشیاء، اوزاروں، ہتھیاروں اور لکڑی پر کندہ ہیں۔ یہ تحریریں نسبتاً مختصر ہیں، جن میں اوسطاً پانچ علامتیں ہوتی ہیں، جبکہ سب سے طویل تحریر میں 17 علامتیں شامل ہیں۔ اس رسم الخط میں تقریباً 400 منفرد علامات کی شناخت کی گئی ہے (Rao et al., 2009)۔

اگرچہ راؤ کی ٹیم نے جدید کمپیوٹیشنل طریقے استعمال کیے، ان کی تحقیق میں دراوڑی زبانوں کو بنیاد بنا کر رسم الخط کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ اس نقطہ نظر نے اس امکان کو نظر انداز کر دیا کہ وادی سندھ کی زبان خود دراوڑی زبانوں پر اثرانداز ہو سکتی تھی، نہ کہ ان سے ماخوذ۔ اس تعصب نے ان کی تحقیق کو محدود کر دیا اور رسم الخط کی مکمل تفہیم میں رکاوٹ پیدا کی۔

حوالہ جات

- Allana, G. A. (1995). *Sindhi Language and Its Origins*. Institute of Sindhology.
- Baloch, N. B. (1980). *Sindhi Language: Historical and Linguistic Perspectives*. Sindh University Press.
- Grierson, G. A. (1919). *Linguistic Survey of India: Indo-Aryan Family, Northwestern Group*. Government of India.
- Hunter, G. R. (1934). *The Script of Harappa and Mohenjo-daro*. London: Royal Asiatic Society.
- Jetley, M. K. (1982). *Sindhi Language: Its Origin and Development*. Delhi: National Book Trust.
- Mahadevan, I. (2002). *Early Tamil Epigraphy: From the Earliest Times to the Sixth Century A.D.* Harvard University Press.
- Memon, S. H. (1990). *Sindhi Language and Sanskrit: A Comparative Study*. Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Parpola, A. (1994). *Deciphering the Indus Script*. Cambridge University Press.

- Rao, R. P. N., Yadav, N., Vahia, M. N., Joglekar, H., Adhikari, R., & Mahadevan, I. (2009). Entropic evidence for linguistic structure in the Indus script. *Science*, 324(5931), 1165.
- Trumpp, E. (1872). *Grammar of the Sindhi Language*. London: Trübner & Co.

سندھ کی قدیم زبان اور رسم الخط: سامی زبانوں سے منسوب دعووں کا تنقیدی جائزہ

خلاصہ

یہ مقالہ مولانا ابو جلال ندوی کے اس دعوے کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے کہ سندھ کی قدیم تہذیب یعنی سندھُو ماتري (Indus Valley Civilization) کی زبان اور رسم الخط دراصل سامی زبانوں، خاص طور پر عربی اور عبرانی، سے ماخوذ ہیں۔ اگرچہ ندوی کی تحقیق ایک ثقافتی اور مذہبی نقطہ نظر کی نمائندگی کرتی ہے، یہ مقالہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان دعووں کی کوئی سائنسی یا لسانی بنیاد موجود نہیں۔ آثارِ قدیمہ، لسانیات اور تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ندوی کے نتائج قیاسی ہیں اور علمی تحقیق کے اصولوں پر پورا نہیں اترتے۔

تعارف

سندھُو ماتري، جو 2600 قبل مسیح سے 1900 قبل مسیح تک پھلی پھولی، دنیا کی قدیم

ترین شہری تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ اگرچہ موہن جو دڑو اور ہڑاپا جیسے شہروں کی کھدائی سے بے شمار آثار دریافت ہوئے ہیں، مگر اس تہذیب کی زبان اور رسم الخط آج تک مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آئے۔ مولانا ابو جلال ندوی نے دعویٰ کیا کہ سندھُو تہذیب کی زبان دراصل عربی کی قدیم شکل ہے اور اس کے رسم الخط نے عربی خطاطی کی بنیاد رکھی (ندوی، 1953)۔ یہ مقالہ ان دعووں کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتا ہے۔

سابقہ تحقیق کا جائزہ

سندھُو رسم الخط پر مرکزی تحقیق

زیادہ تر ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ سندھُو رسم الخط تصویری (pictographic) یا علامتی (logo-syllabic) نوعیت کا ہے، جس میں 400 سے زائد علامات شامل ہیں جو مہروں، برتنوں اور تختیوں پر پائی گئی ہیں (پارپولا، 1994)۔ اس رسم الخط کو سمجھنے کی کوششوں میں دراوڑی، سنسکرتی اور منڈا زبانوں سے تعلق تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر کوئی حتمی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔

ندوی کی تحقیق اور نظریاتی پس منظر

مولانا ابو جلال ندوی نے 1950 کی دہائی میں یہ دعویٰ کیا کہ سندھُو تہذیب کی زبان عربی کی ابتدائی شکل تھی اور رسم الخط عربی خطاطی سے مشابہت رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنے مضامین جیسے "قدیم سندھی نوشتی" اور "فنِ کتابت" میں یہ بھی لکھا کہ سندھُو تہذیب کے لوگ دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے (ندوی، 1953)۔ اُن کی تحقیق اس رجحان کی نمائندگی کرتی ہے جس میں جنوبی ایشیا کی قدیم تاریخ کو اسلامی ورثے سے جوڑنے کی کوشش کی گئی (احمد، 2009)۔

طریقہ کار پر تنقید

لسانی شواہد کی کمی

ندوی کا نظریہ تقابلی لسانیات کے بنیادی اصولوں پر پورا نہیں اترتا۔ عربی اور عبرانی سامی زبانیں ہیں جو صوتی اور حروفی نوعیت کی حامل ہیں، جبکہ سندھُو رسم الخط تصویری اور غیر صوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان نہ تو صوتی مماثلت ہے، نہ نحوی، اور نہ ہی لغوی (وٹزل، 2000)۔ ندوی نے لسانی تجزیہ یا شماریاتی تجزیہ کا استعمال نہیں کیا، جو اس قسم کی تحقیق کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

آثارِ قدیمہ سے تضاد

سندھُو تہذیب سے ملنے والے آثار—مہر، موتی، مٹی کی مورتیاں، اور شہری منصوبہ بندی—مقامی ترقی کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ کہ سامی اثرات کی (کینیور، 1998)۔ اگرچہ میسوپوٹیمیا کے ساتھ تجارتی تعلقات موجود تھے، مگر صرف تجارت کی بنیاد پر لسانی اشتراک ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

نظریاتی تعصب

ندوی کی تحقیق مذہبی اور قومی جذبات سے متاثر نظر آتی ہے۔ ان کا دعویٰ کہ موہن جو دڑو کے لوگ دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے، کسی آثارِ قدیمہ یا لسانی شواہد پر مبنی نہیں۔ اس قسم کی تحقیق تاریخی حقائق کو نظریاتی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے، جو علمی دیانت کے خلاف ہے (علی، 2011)۔

تقابلی تجزیہ

خصوصیت	سامی زبانیں (عربی/عبرانی)	سندھُو رسم الخط
رسم الخط کی نوعیت	حروفی (Alphabetic)	تصویری/علامتی (Pictographic)
صوتی نمائندگی	موجود	غیر واضح
مکمل طور پر سمجھا گیا؟	□اں	ن□یں
مذ□بی وابستگی	ابرا□یمی مذا□ب	ممکن□ طور پر مقامی عقائد
ثقافتی آثار	مذ□بی و متنی	تجارتی و ش□ری

ظا□ری مشاب□ت ک□ باوجود دونوں نظاموں میں ساختی اور عملی فرق واضح □□□

تاریخی تحقیق پر اثرات

ندوی ک□ دعو□ اس کشمکش کو اجاگر کرت□ □یں جو نظریاتی بیانی□ اور سائنسی تحقیق ک□ درمیان موجود □□□ اگرچ□ ثقافتی فخر اور مذ□بی شناخت تاریخی تحقیق کا حص□ □و سکت□ □یں، مگر ان□یں شوا□د پر فوقیت ن□یں دی جا سکتی□ سندھُو ت□ذیب کو اس ک□ اپن□ تناظر میں سمجھن□ کی ضرورت □□، ن□ ک□ جدید مذ□بی بیانیوں میں ضم کرن□ کی□

نتیجہ

مولانا ابو جلال ندوی کا یہ دعویٰ کہ سندھُو تہذیب کی زبان اور رسم الخط سامی زبانوں سے ماخوذ ہیں، لسانی، آثارِ قدیمہ اور تاریخی شواہد کی روشنی میں درست ثابت نہیں ہوتا۔ ان کی تحقیق ایک نظریاتی کوشش ہے جو جنوبی ایشیا کی قدیم تاریخ کو اسلامی ورثہ سے جوڑنے کی خواہش پر مبنی ہے۔ مستقبل کی تحقیق کو بین اللسانی، آثارِ قدیمہ اور انسانیات کے اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے تاکہ تاریخی سچائی برقرار رکھی جا سکے۔

حوالہ جات

- احمد، اے۔ ایس۔ (2009). *اسلام کی طرف سفر: گلوبلائزیشن کا بحران*. بروکنگز انسٹیٹیوشن پریس۔
- علی، ڈی۔ (2011). *جنوبی ایشیا میں اسلامی آثار قدیمہ اور ورثہ کی سیاست*. *ساؤتھ ایشیا ملٹی ڈسپلنری اکیڈمک جرنل*, (5), 1–20۔

- کینیور، جے۔ ایم۔ (1998). *سندھُو تہذیب کے قدیم شہر*. آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- مہادیون، آئی۔ (2003). *سندھُو رسم الخط: متون، ہم آہنگی اور جدولیں*. آثارِ قدیمہ سروے آف انڈیا۔
- ندوی، اے۔ جے۔ (1953). *موہن جو دڑو کی زبانیں. رسالہ تاریخ و سیاست*, نومبر شمارہ۔
- پارپولا، اے۔ (1994). *سندھُو رسم الخط کی تفہیم*. کیمبرج یونیورسٹی پریس۔
- وٹزل، ایم۔ (2000). *ہڑپہ کی زبانیں. الیکٹرانک جرنل آف ویدک اسٹڈیز*, 7(3), 1–35۔

پروٹو سندھی: سندھُو تہذیب کی اصل زبان کا تنقیدی جائزہ

خلاصہ

یہ مقالہ اس نظریہ کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے کہ سندھُو تہذیب (Indus Valley Civilization) کی زبان "پروٹو سندھی" تھی—یعنی موجودہ سندھی زبان کی قدیم شکل۔ آثارِ قدیمہ، لسانیات اور ثقافتی شواہد کی بنیاد پر یہ تحقیق ان نظریات کو چیلنج کرتی ہے جو سندھُو تہذیب کی زبان کو دراوڑی یا آریائی خاندان سے جوڑتے ہیں۔ پاکستانی ماہرین جیسے احمد حسن دانی، سراج الحق میمن، غلام علی الانا اور ایم ایچ پنھور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سندھ کی زبان مقامی تھی اور اس کا تسلسل آج بھی موجود ہے۔ یہ مقالہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ پروٹو سندھی کا

نظریہ سندھُو رسم الخط کو سمجھنے کے لیے ایک قابلِ غور بنیاد فراہم کرتا ہے۔

تعارف

سندھُو تہذیب، جو 2600 قبل مسیح سے 1900 قبل مسیح تک پھلی پھولی، دنیا کی قدیم ترین شہری تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ اگرچہ اس تہذیب کے آثار بڑی تعداد میں دریافت ہو چکے ہیں، مگر اس کی زبان اور رسم الخط آج تک مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آئے۔ بیشتر محققین نے اس زبان کو دراوڑی یا آریائی خاندان سے جوڑنے کی کوشش کی ہے (Parpola, 1994; Mahadevan, 2003)، مگر پاکستانی ماہرین کی ایک جماعت اس بات پر زور دیتی ہے کہ یہ زبان سندھ کی مقامی زبان تھی، جسے "پروٹو سندھی" کہا جا سکتا ہے (Hussain, 2012)۔

دراوڑی نظریہ کی تردید

پاکستانی ماہرِ آثارِ قدیمہ احمد حسن دانی نے اس نظریہ کو رد کیا کہ سندھُو تہذیب کے خالق دراوڑ تھے۔ ان کے مطابق جنوبی ہندوستان اور قدیم سندھ کے درمیان جغرافیائی اور ثقافتی فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ براہِ راست لسانی تعلق ممکن نہیں۔ دانی نے اس بات پر زور دیا کہ

جنوبی ہندوستان میں سندھُو تہذیب جیسے آثار نہیں ملے، جو اس نظریے کو کمزور بناتے ہیں (Dani, 1998)۔ اگرچہ بھارتی ماہرین جیسے مہادیون اور پارپولا اس نظریے کے حامی ہیں، مگر وہ بھی اس فاصلے کو تسلیم کرتے ہیں (Parpola, 1994)۔

پروٹو سندھی بطور مقامی زبان

سراج الحق میمن، جو سندھی لسانیات کے ممتاز ماہر ہیں، نے یہ نظریہ پیش کیا کہ موہن جو دڑو اور دیگر سندھُو مقامات سے ملنے والی تحریریں سندھی زبان کی ابتدائی شکل کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے مطابق سندھی زبان کسی بیرونی زبان سے ماخوذ نہیں بلکہ اسی خطے میں پیدا ہوئی اور ممکنہ طور پر جنوبی ایشیا کی سب سے قدیم زبان ہے (Hussain, 2012)۔ میمن نے پروٹو سندھی کو نہ صرف سندھی بلکہ سرائیکی، پنجابی اور کشمیری جیسی دیگر علاقائی زبانوں کی ماں قرار دیا۔

غلام علی الانا نے اس زبان کو "سندھوئی" کا نام دیا اور اس بات پر زور دیا کہ سندھ کی تہذیب کا تسلسل 5000 سال پر محیط ہے، جس سے زبان کا تسلسل بھی ثابت ہوتا ہے (Allana, 2009)۔

لسانی اثرات اور علاقائی پھیلاؤ

تقابلی لسانیات کے تناظر میں یہ نظریہ مزید تقویت حاصل کرتا ہے۔ محققین نے مشاہدہ کیا ہے کہ تامل، تیلگو اور کناڑی جیسی بڑی دراوڑی زبانوں میں ایسی خصوصیات موجود ہیں جو ممکنہ طور پر پروٹو سندھی سے ماخوذ ہیں (Hussain, 2012)۔ مزید یہ کہ سندھی زبان صوتیات اور صرفیات کے لحاظ سے سنسکرت سے زیادہ قدیم ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے بعد کی آریائی زبانوں پر اثر ڈالا۔

بابِل اور میسوپوٹیمیا سے ملنے والے آثار میں سندھی جیسی لسانی علامات ملنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھُو تہذیب کے لوگ تجارت کے ذریعے وہاں پہنچے اور اپنی زبان کا اثر چھوڑا۔ ان علاقوں کی تحریروں میں موہن جو دڑو کی تحریر سے مشابہت اس بات کا ثبوت ہے (Hussain, 2012)۔

بیرونی ماڈلز پر تنقید

سنسکرت، دراوڑی یا سامی زبانوں کی بنیاد پر سندھُو رسم الخط کو سمجھنے کی کوششیں اب تک کامیاب نہیں ہو سکیں۔ محققین نے اکثر ایسی زبانوں کو بنیاد بنایا جو جغرافیائی اور زمانی طور پر سندھُو تہذیب سے بہت دور ہیں۔ ایم ایچ پنھور نے اس بات پر زور دیا کہ موجودہ سندھی زبان پروٹو انڈین زبان کا تسلسل ہے اور دراوڑی

زبانوں سے اس کا تعلق بہت پہلے ختم ہو چکا ہے، اس لیے سندھُو رسم الخط کو سمجھنے کے لیے سندھی زبان زیادہ موزوں ہے (Hussain, 2012)۔

نتیجہ

پروٹو سندھی کا نظریہ سندھُو تہذیب کی زبان کے بارے میں ایک مضبوط اور قابلِ غور متبادل پیش کرتا ہے۔ یہ نظریہ علاقائی تسلسل پر مبنی ہے اور آثارِ قدیمہ و لسانیات کے شواہد سے تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہ اس مفروضے کو چیلنج کرتا ہے کہ سندھُو تہذیب کی زبان لازماً کسی دور دراز زبان سے جڑی ہوئی تھی۔ مستقبل کی تحقیق میں سندھی، سرائیکی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں کو بنیاد بنا کر سندھُو رسم الخط کو سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

حوالہ جات

- Allana, G. A. (2009). *Sindhi Language & Literature at a Glance*. Sindhi Language Authority, Hyderabad, Sindh.
- Dani, A. H. (1998, January 6). Interview on Harappa script. Retrieved from http://www.harappa.com/script/danitext.html#1
- Hussain, F. (2012). *Sindhu Likhat: Aikawi Sadi Mein Thail Nai Tehqeeq*. Sindhi Language Authority, Hyderabad, Sindh.
- Mahadevan, I. (2003). *The Indus Script: Texts, Concordance and Tables*. Archaeological Survey of India.
- Parpola, A. (1994). *Deciphering the Indus Script*. Cambridge University Press.

سندھُو ماتَر کی شہری تہذیب کے مذہبی اور فکری بنیادیں

سندھُو ماتَر، جسے عالمی سطح پر انڈس ویلی سولائزیشن کے نام سے جانا جاتا ہے، قدیم شہری تہذیبوں کے مطالعے میں ایک منفرد مثال پیش کرتی ہے۔ جہاں دیگر قدیم تہذیبوں میں مذہب ریاستی نظم و نسق اور سماجی تنظیم کا مرکزی عنصر تھا، وہیں سندھُو ماتَر میں تجارت، زراعت اور مادی زندگی کو روحانی عقائد پر فوقیت حاصل تھی۔ یہ مضمون سندھُو ماتَر کے باشندوں کے مذہبی اور فکری رجحانات کا جائزہ لیتا ہے، آثارِ قدیمہ اور علمی تحقیق کی روشنی میں۔

روحانیت کے بجائے مادیت

سندھُو ماتَر کے باشندے بنیادی طور پر کسان اور تاجر تھے، جس نے ان کے نقطۂ نظر کو مادی بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کی تہذیب میں روح،

آسمان اور وحدت کے بجائے جسم، زمین اور کثرت کو اہمیت حاصل تھی (اشرف، 1951)۔ ان کا انحصار قدرتی مظاہر یا دیوتاؤں پر کم اور زمینی وسائل پر زیادہ تھا۔

اسٹروٹ پگاٹ (1950) کے مطابق، سندھُو ماتَر کے حکمرانوں کا سیاسی نظریہ لادینی تھا۔ موہن جو دڑو اور ہڑاپا جیسے بڑے شہروں میں عبادت گاہوں یا مذہبی اداروں کی عدم موجودگی اس بات کی دلیل ہے۔ پروفیسر کے۔ ایم۔ سین بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان شہروں کی کھدائی سے اجتماعی عبادت کی کوئی جگہ دریافت نہیں ہوئی (اشرف، 1951)۔

زرخیزی کی علامتیں اور زمین کی پرستش

اگرچہ منظم مذہب کو ثانوی حیثیت حاصل تھی، مگر تخلیق اور زرخیزی کی علامتیں نمایاں طور پر موجود تھیں۔ بیل اور شو (شیو) کی علامتیں زرعی زرخیزی کی نمائندہ تھیں، جو مذہبی نہیں بلکہ معاشی اور زرعی زندگی کی عکاس تھیں (مارشل، 1931)۔

سندھُو ماتَر میں تخلیق کا تصور مادی جدلیات پر مبنی تھا۔ بہار کے موسم میں فطرت کی تجدیدی قوتوں کو مقدس مانا جاتا تھا۔ جنسی ملاپ کو تخلیق کا مقدس عمل سمجھا جاتا تھا،

جو زمین میں بیج بونے کے عمل سے مماثلت رکھتا تھا (اشرف، 1951)۔

نسوانی اصول اور لنگ پوجا

زمین کو "دھرتی ماتا" یعنی ماں تصور کیا جاتا تھا، جو انسانوں اور جانوروں کو غذا فراہم کرتی ہے۔ اسی لیے عورت کو بھی تخلیق کا سرچشمہ مانا گیا۔ عورت اور زمین کے درمیان فطری مماثلت کے باعث دونوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ لنگ پوجا، جو تخلیق سے جڑے مردانہ عضو کی علامت تھی، بھی رائج تھی (مارشل، 1931)۔

موہن جو دڑو سے ملنے والے مجسمے مرد و عورت کی مشترکہ تصاویر پیش کرتے ہیں، جو جسمانی تخلیق کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک مجسمے میں عورت کو پیدائش کی حالت میں دکھایا گیا ہے، جہاں اس کے تولیدی عضو سے پودا نکلتا ہوا دکھایا گیا ہے—یہ تخلیق کے نسوانی تصور کو تقویت دیتا ہے (مارشل، 1931)۔

نتیجہ

سندھُو ماتَر کی تہذیب کا مذہبی اور فکری منظرنامہ اس کے مادی حالات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ مذہبی اداروں کی تعمیر کے بجائے، اس

تہذیب نے زرخیزی، فطرت کے موسموں، اور زمین کی پرستش کے ذریعے اپنے عقائد کا اظہار کیا۔ ان کا نقطہ نظر عملی تھا، جو تجارت اور زراعت کی ضروریات سے ہم آہنگ تھا۔ یہ دنیاوی اور مادہ پرست رجحان سندھُو ماثَر کو دیگر قدیم تہذیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

حوالہ جات

- Ashraf, M. (1951, July). *Tareekh o Siyasat* [تاریخ و سیاست]. *Risalo*.
- Marshall, J. (1931). *Mohenjo-daro and the Indus Civilization* (Vols. 1–3). London: Arthur Probsthain.
- Piggott, S. (1950). *Prehistoric India*. London: Penguin Books.
- Sen, K. M. (n.d.). *Hinduism*. [بحوالہ اشرف، 1951]

انڈس ویلی تہذیب میں عورتوں کا کردار: نسوانی مرکزیت پر مبنی سماجی نظام

انڈس ویلی تہذیب (2600–1900 قبل مسیح) ایک ایسی سماج کی مثال پیش کرتی ہے جہاں عورتوں کو نہ صرف عزت دی جاتی تھی

بلکہ وہ سماجی، معاشی اور روحانی زندگی میں مرکزی کردار ادا کرتی تھیں۔ دیگر قدیم تہذیبوں کے برعکس، جنہوں نے پدرشاہی نظام کو رواج دیا، انڈس تہذیب نے ایک ماں مرکزیت پر مبنی نقطہ نظر اپنایا جو زراعت، زرخیزی اور عورت و زمین کے درمیان علامتی ہم آہنگی پر مبنی تھا۔

سماج میں عورتوں کی مرکزی حیثیت

ہڑپہ اور موہنجو دڑو سے حاصل شدہ آثار قدیمہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عورتوں کو طاقتور اور سماجی ڈھانچے میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ پروفیسر جوناتھن مارک کینیور (Kenoyer, 2013) کے مطابق، ہڑپہ میں کچھ قبریں ایسی ملی ہیں جن میں مردوں کو عورتوں کے ساتھ دفن کیا گیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ عورت کی زندگی اور موت میں بلند مقام تھا۔ یہ روایت بعد کی جنوبی ایشیائی پدرشاہی روایات سے مختلف ہے، جہاں عورتیں شوہروں کے ساتھ دفن کی جاتی تھیں، جو ان کی ماتحتی کو ظاہر کرتا ہے (Ashraf, 1951)۔

جیمز شیفر کے مطابق، انڈس تہذیب نے عورتوں کو فیصلہ سازی اور سماجی احترام میں برتری دی، جو دیگر قدیم تہذیبوں کے برعکس ہے (Ashraf, 1951)۔ انڈس کی عورتیں تخلیق اور تسلسل کی نمائندہ تھیں، نہ کہ محکوم۔

زمین، زرخیزی اور نسوانی اصول

موہنجو دڑو میں کسی بڑے مندر یا مذہبی علامت کی عدم موجودگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انڈس تہذیب کی روحانی سوچ فطرت اور زرخیزی پر مبنی تھی، نہ کہ منظم مذہب پر (Moura, 1995)۔ زمین اور عورت دونوں کو زندگی بخشنے والی قوتیں سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں ابتدائی زراعت کی بانی تھیں، جنہوں نے پودوں کی کاشت اور زمین کی آبادکاری کا آغاز کیا (Ashraf, 1951)۔

یہ علامتی ہم آہنگی عورت اور زمین کے درمیان اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دونوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ زرخیزی کی اہمیت ان مجسموں اور تصویری علامتوں میں نظر آتی ہے جن میں عورتوں کو پیدائش کی حالت میں یا نباتات کے ساتھ دکھایا گیا ہے (Marshall, 1931)۔

ماں مرکزیت سے پدرشاہی کی طرف منتقلی

ابتدائی طور پر، انڈس تہذیب ایک "ماں مرکزیت" پر مبنی سماج تھی، جہاں عورتیں زراعت اور سماجی تنظیم میں اختیار رکھتی تھیں۔ تاہم، جیسے جیسے زراعت پیچیدہ ہوتی

گئی اور پیداوار میں اضافہ ہوا، مردوں نے زمین کی ملکیت اور مزدوری پر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔ اس تبدیلی نے پدرشاہی اصولوں کو جنم دیا اور ماں مرکزیت کے زوال کا آغاز کیا (Piggott, 1950)۔

نجی ملکیت اور مردانہ غلبے کے ساتھ سماج میں طبقاتی تقسیم پیدا ہوئی۔ مذہب ایک ایسا ذریعہ بن گیا جس کے ذریعے دولت اور طاقت کو جائز قرار دیا گیا۔ غریب طبقے کو غیر مرئی قوتوں کے خوف اور بعد از مرگ انعامات کے وعدوں سے قابو میں رکھا گیا، جو منظم مذہب کے عروج کی علامت ہے (Ashraf, 1951)۔

مذہبی رواداری اور غیر مذہبی حکمرانی

ویدی دور کے برعکس، انڈس تہذیب نے مذہب کو ریاستی ڈھانچے میں شامل نہیں کیا۔ جیسا کہ مورا (Moura, 1995) نے مشاہدہ کیا، موہنجو دڑو میں کوئی بڑا مندر یا ریاستی مذہبی مقام نہیں ملا، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مذہب نجی معاملہ تھا۔ ریاست نے مذہبی یکسانیت کو نافذ نہیں کیا، اور روحانی عقائد متنوع اور غیر مرکزی تھے۔

انسانی قربانی کی عدم موجودگی

فرایزر اور ٹائلر جیسے ماہرین انسانیات نے مصر، میسوپوٹیمیا اور میسوامریکا جیسی تہذیبوں میں انسانی قربانی کی روایت کو دستاویزی شکل دی ہے۔ تاہم، انڈس تہذیب میں ایسی کسی رسم کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ انڈس کے رسوم جشن اور زندگی کی تصدیق پر مبنی تھے، جو موسمی چکروں اور زرعی فراوانی پر مرکوز تھے، نہ کہ قربانی پر (Ashraf, 1951)۔

نتیجہ

انڈس ویلی تہذیب ایک ایسی سماج کی مثال ہے جہاں عورتیں مادی اور روحانی زندگی میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ زراعت سے لے کر علامتی عبادت تک، عورتوں نے جنوبی ایشیا کی ابتدائی ثقافت کو تشکیل دیا۔ بعد میں پدرشاہی اور مذہبی سختی کے عروج نے اس نظام کو بدل دیا، لیکن انڈس تہذیب کی نسوانی مرکزیت آج بھی تاریخی اور نسوانی تحقیق کو متاثر کرتی ہے۔

حوالہ جات

- Ashraf, M. (1951, July). Tareekh o Siyasat [History and Politics]. *Risalo*.
- Kenoyer, J. M. (2013, April 29). Mohenjo-Daro. Retrieved from http://www.mohenjodaro.net/
- Marshall, J. (1931). *Mohenjo-Daro and the Indus Civilization* (Vols. 1–3). London: Arthur Probsthain.
- Moura, A. A. (1995). *Dancing Shadows: The Roots of Western Religious Beliefs*. Llewellyn Publications.
- Piggott, S. (1950). *Prehistoric India*. London: Penguin Books.
- Shaffer, J. (as cited in Ashraf, M., 1951).
- Watson, T. (2013, April 29). Surprising discoveries from the Indus Civilization. *National Geographic News*. Retrieved from http://www.sott.net/article/261407-Surprising-discoveries-from-the-Indus-Civilization

سندھ تہذیب کے بین الاقوامی روابط: ہجرت، ثقافتی اثرات اور لسانی ورثہ

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کی قدیم تہذیب کے بین الاقوامی روابط کا جائزہ لیتا ہے، جس میں ہجرت، ثقافتی تبادلہ اور لسانی اثرات کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ آثارِ قدیمہ، لسانیات اور ماحولیاتی شواہد کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔

کے سندھ کے لوگ جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا، حتیٰ کہ آسٹریلیا اور انڈونیشیا تک، قدیم تہذیبوں کے قیام میں فعال کردار ادا کرتے رہے۔ مضمون میں موسمی تبدیلیوں، تجارتی راستوں اور سمندری سفر کے ذریعے ان روابط کی وضاحت کی گئی ہے۔

تعارف

قدیم تہذیبوں اور تاریخی لسانیات کے ماہرین طویل عرصے سے اس بات پر غور کرتے رہے ہیں کہ مختلف خطوں کی قدیم زبانوں، رسومات اور نسب میں حیرت انگیز مماثلت کیوں پائی جاتی ہے۔ یہ مماثلتیں اس نظریے کو تقویت دیتی ہیں کہ انسانیت کا آغاز کسی ایک ثقافتی مرکز سے ہوا، جو بعد میں جغرافیائی اور موسمی عوامل کے تحت مختلف رنگ اختیار کرتا گیا۔ تاہم، جدید مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مماثلتیں صرف اتفاقیہ نہیں بلکہ قدیم ہجرتوں، آبادکاریوں اور تجارتی تعلقات کا نتیجہ ہیں (Frgossen, n.d.)۔

ہجرت اور ثقافتی مماثلتیں

مصر، عراق اور سندھ کی تہذیبوں کے آثار—خاص طور پر تعمیرات، تحریریں اور روزمرہ کے اوزار—میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ

شواہد اس نظریے کو تقویت دیتے ہیں کہ قدرتی آفات جیسے خشک سالی، سیلاب، زلزلے اور سردی کی شدت کے باعث انسانوں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کی (Blunden, n.d.)۔ آبادی میں اضافے نے بھی ان ہجرتوں کو جنم دیا۔

فرگوسن کے مطابق، سندھ سے کئی قبائل اور ذاتیں دریائی راستوں سے باہر نکلیں اور تہذیب کو دنیا بھر میں پھیلایا (Frgossen, n.d.)۔ یہ اثرات مختلف خطوں کی زبانوں اور ثقافتوں میں آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ سندھ کے لوگ قدیم عالمی انسانی روابط کا حصہ تھے۔

آسٹریلیا میں سندھ کی تہذیب کے اثرات

گاڈفری بلنڈن لکھتے ہیں کہ برفانی دور میں سمندری سطح کم ہونے کے باعث جنوبی ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان خشکی کا راستہ بن گیا، جس سے جانور اور انسان آسٹریلیا پہنچے (Blunden, n.d.)۔ جب موسم گرم ہوا تو سندھ اور جنوبی ہندوستان کے لوگ چراگاہوں اور رہائش کی تلاش میں آسٹریلیا کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ لوگ اپنے ساتھ "سون کلچر" لے کر گئے، جو سندھ میں تقریباً پانچ لاکھ سال قبل موجود تھا۔ یہی ثقافت آسٹریلیا میں گیمبیری اور تاسمان

تہذیبوں کی بنیاد بنی۔ تھامس پیٹرسن کے مطابق، سون کلچر آسٹریلیا کی گیمبیری تہذیب میں تبدیل ہوا اور بعد میں پلیوسین دور میں تاسمان تہذیب میں شامل ہوا (The Chamber’s Encyclopaedia, n.d.)۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ آسٹریلیا کی قدیم نسل دراصل سندھ کے باشندوں کی اولاد ہے (Channa, 1973)۔

لسانی شواہد اور جنوب مشرقی ایشیا سے روابط

لسانی ماہرین نے پروٹو-سندھی زبان کے اثرات تامل، تیلگو اور کنڑ جیسی دراوڑی زبانوں میں دریافت کیے ہیں۔ ان زبانوں میں سندھ کی قدیم زبان کی لغت اور گرامر کی جھلکیاں موجود ہیں۔ دکن اور چھوٹا ناگپور کے باشندوں میں جسمانی اور ثقافتی مماثلتیں بھی سندھ کے لوگوں سے ملتی ہیں۔

مزید برآں، انڈونیشیا کا نام بھی "انڈس-نوسیا" سے ماخوذ بتایا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے "سندھ کے پار کا ملک" (Pathan, 1971)۔ یہ نام اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سندھ کی تہذیب کا اثر جاوا، سماٹرا، بالی اور بورنیو جیسے جزائر پر بھی رہا ہے۔

نتیجہ

پیش کردہ شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سندھ کی تہذیب صرف مقامی حدود تک محدود نہیں تھی بلکہ اس نے آسٹریلیا اور انڈونیشیا جیسے دور دراز علاقوں کی تہذیبوں کو بھی متاثر کیا۔ ہجرت، تجارت اور سمندری سفر کے ذریعے سندھ کے لوگ قدیم انسانی تہذیب کے عالمی نقشے میں اپنا مقام بنا چکے تھے۔ ان کا ورثہ آج بھی زبانوں، ثقافتی روایات اور تاریخی بیانیوں میں زندہ ہے۔

حوالہ جات

- Blunden, G. (n.d.). سرزمین اور باشندے – آسٹریلیا (ص 3–12)۔
- Channa, M. A. (1973). سندھ ماٹر جا اصل رھواسي دراوڙ آھن۔ مہراں، شمارہ 3۔
- Frgossen. (n.d.). History of Indian and Eastern Architecture (جلد 1، تعارف، ص 4)۔
- Pathan, M. (1971). سندھ جي عظمت۔ نئی زندگی، کراچی، ص 9۔
- Patterson, T. (n.d.). بحوالہ The Chamber’s Encyclopaedia (جلد 1، ص 805)۔
- Bowte, J. (n.d.). The Concise Encyclopaedia of World History (ص 19)۔

سندھ تہذیب اور میسوپوٹیمیا کے روابط: ہجرت، ثقافتی تبادلہ اور لسانی شواہد

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کی قدیم تہذیب اور میسوپوٹیمیا کے درمیان تاریخی اور آثارِ قدیمہ کے روابط کا جائزہ لیتا ہے۔ کھدائی، لسانی مماثلتوں اور تجارتی شواہد کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ سندھ کے لوگ عراق کے ابتدائی شہری مراکز، خاص طور پر اُر اور کش، کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔ مضمون اس نظریے کو چیلنج کرتا ہے کہ سندھ تہذیب میسوپوٹیمیا سے جنم لیتی ہے، اور اس کے برعکس مشرق سے مغرب کی جانب ہجرت اور ثقافتی اثرات کے شواہد پیش کرتا ہے۔

تعارف

میسوپوٹیمیا کے شہروں اُر (Ur) اور کش (Kish) کی حالیہ کھدائی، جنہیں لیونارڈ وولی اور پروفیسر لینگڈن نے انجام دیا، برونز دور کی تہوں کو ظاہر کرتی ہے جن سے پہلے انسانی آبادی کے کوئی آثار نہیں ملے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عراق کی پہلی شہری آبادیاں تھیں (Samraat, n.d.)۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں کے باشندوں نے اپنی تہذیب کسی اور مقام پر قائم کی تھی اور بعد میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔ رابرٹ بریفالٹ کے مطابق، بابل میں ہمیں ابتدا ہی سے مکمل ترقی یافتہ تہذیب نظر آتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ابتدائی مرحلہ کہیں اور طے ہوا تھا (Briffault, n.d.)۔

سمیری تہذیب کی سندھ سے وابستگی

کئی ماہرین کا ماننا ہے کہ سمیری تہذیب کا آغاز سندھ سے ہوا۔ فرینکفرٹ کے مطابق، میسوپوٹیمیا کے ابتدائی باشندے ایران کے بالائی علاقوں سے آئے، جن کی تہذیب سندھ تک پھیلی ہوئی تھی (Sindh Historical Journal, Society, n.d.)۔ ہال نے بھی سمیری لوگوں کی جسمانی اور ثقافتی مماثلتیں قدیم بھارتی باشندوں سے جوڑتے ہوئے کہا کہ وہ خشکی یا

سمندری راستے سے فارس کے ذریعے دجلہ و فرات کی وادی میں پہنچے (Hall, n.d.)۔

میسوپوٹیمیا سے جنم لینے کے نظریے کی تردید

سندھ کے آثارِ قدیمہ پر تفصیلی تحقیق سے قبل کچھ ماہرین کا خیال تھا کہ سندھ تہذیب میسوپوٹیمیا سے نکلی ہے۔ تاہم، ایم ایچ پنھور جیسے ماہرین نے اس نظریے کو رد کیا۔ ان کے مطابق، سندھ تہذیب تقریباً 5 لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی اور 7500 قبل مسیح سے 1000 قبل مسیح تک، یعنی ساڑھے پانچ ہزار سال سے زائد عرصے تک قائم رہی، جب کہ نیل اور دجلہ-فرات کی تہذیبیں اس کے عشرے کے برابر بھی نہیں تھیں (Panhwar, 2013)۔

لیونارڈ وولی کے مطابق، سمیری لوگ مشرق سے آ کر فرات کے کنارے آباد ہوئے، اور عراق کے مشرق میں سندھ واقع ہے، جس سے ہجرت کا نظریہ مزید مضبوط ہوتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور دیگر تاریخی ذرائع بتاتے ہیں کہ قدیم زمانے میں کچھ لوگ میسوپوٹیمیا میں آ کر آباد ہوئے، جنہیں شمیر یا شنر کہا گیا۔ بابل کے کتبوں میں انہیں "اونس" کہا گیا، یعنی وہ مخلوق جن کا اوپری دھڑ انسان کا اور نچلا دھڑ مچھلی کا تھا—شاید اس لیے کہ وہ سمندری راستے سے آئے تھے (Lal, n.d.)۔

بائبل بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ حضرت نوح کی اولاد مشرق سے شنار پہنچی، جو "سندھور" یا "سندھ" سے مشابہ ہے (Pecocke, n.d.)۔ کئی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ سمیری لوگ سامی نسل کے نہیں تھے، نہ ان کی زبان، کردار یا ثقافت سامی تھی (Historian’s History of the World, n.d.)۔

زراعت اور لسانی شواہد

میسوپوٹیمیا کا سب سے قدیم شہر "اُر" دراصل "ہر" یا "ہری" کا بگڑا ہوا تلفظ ہے، جو سندھ میں زرخیزی کی علامت ہے۔ سندھ کے باشندوں نے عراق میں زراعت کی بنیاد رکھی، زمین کو "ہر" سے جوتا اور فصلیں اگائیں، جس پر شہر کا نام رکھا گیا۔

آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے کش کے مقام سے ایک مہر دریافت کی جو موہن جو دڑو کی مہروں سے مشابہ ہے، اور اس پر جو تحریر ہے وہ سندھ کی قدیم لپی معلوم ہوتی ہے (Channa, n.d.)۔ لسانی شواہد بھی اس تعلق کو ثابت کرتے ہیں: سمیری زبان میں "ادا" کا مطلب "بھائی" ہے، جو صرف سندھی زبان میں موجود ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ کے لوگ عراق میں رہتے تھے اور ان کے تجارتی روابط تھے (Langdon, 1931)۔

تجارت اور آبادکاری

قدیم دور میں سندھ کے تاجر اور جہازران عراق میں سامان لے جا کر چھوٹے چھوٹے تجارتی مراکز اور بستیاں آباد کرتے تھے۔ عراق میں ایک ایسی سندھی بستی دریافت ہوئی ہے جو تقریباً 2000 قبل مسیح میں قائم ہوئی۔ عراق کے قدیم کھنڈرات سے سندھی مصنوعات ملتی ہیں، جو آکادی دور (2334 قبل مسیح) سے تعلق رکھتی ہیں۔

اُر شہر کی کھدائی سے موہن جو دڑو اور چانہون جو دڑو کی مہریں، زیورات اور برتن ملے ہیں، جو سندھ تہذیب کے اثرات کی تصدیق کرتے ہیں۔ سندھ اور عراق کے درمیان تجارتی تعلقات 1750–1892 قبل مسیح تک قائم رہے، جو حمورابی کے دور میں ختم ہوئے۔ 1595 قبل مسیح میں عراق میں خانہ جنگی اور انتشار کے باعث یہ تعلقات منقطع ہو گئے۔

نتیجہ

مندرجہ بالا شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ عراق میں تہذیب کی بنیاد رکھنے والے سندھ کے باشندے تھے۔ بابل کی تہذیب کا اصل مرکز سندھ تھا۔ سندھ اور عراق کے درمیان تجارتی اور ثقافتی روابط گہرے اور دیرپا تھے، اور سندھ تہذیب نے میسوپوٹیمیا کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔

حوالا جات

- Samraat, G. (n.d.). سندھ سووير (ص 98–99)
- Briffault, R. (n.d.). تشڪيل انسانيت (ص 96)
- Journal, Sindh Historical Society. (n.d.). جلد VIII، ص 71
- Hall. (n.d.). The Ancient History of Near East (ص 173–174)
- Panhwar, M. H. (2013). سنڌ جي ريجاڻي تاريخ جا ڇهه هزار سال [سنڌي ايڊيشن]، ڪراچي
- Lal, C. (n.d.). Hindu America (ص 46)
- Pecocke. (n.d.). India in Greece (ص 45–47)
- Channa, M. A. (n.d.). سنڌي ادب ڪي مختلف رجحانات (ص 2–3)
- Langdon, S. (1931). A new factor in the problem of Sumerian origins. Journal of the Royal Asiatic Society, ص 593–596
- Baloch, N. B. (1962). سنڌي ٻوليءَ جي مختصر تاريخ

سندھ تہذیب کے وارثوں کے عرب خلیجی ریاستوں سے روابط: آثارِ قدیمہ اور تجارتی شواہد

خلاصہ

یہ مضمون سندھ تہذیب کے عرب خلیجی ریاستوں (اومان، بحرین، کویت) اور دیگر خطوں جیسے ایران، ترکمانستان اور مصر سے قدیم تجارتی روابط کا جائزہ لیتا ہے۔ آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں، مہروں، برتنوں اور دیگر اشیاء کی بنیاد پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سندھ کے باشندے نہ صرف عرب سمندر عبور کر کے خلیجی ریاستوں تک پہنچے بلکہ وہاں تجارت اور ثقافت کے اثرات بھی چھوڑے۔ مضمون میں ان روابط کے مراکز، اشیاء اور تاریخی حوالوں کو علمی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

عرب خلیجی ریاستوں میں سندھ تہذیب کے آثار

ڈاکٹر رفیق مغل اپنی رپورٹ "سندھو سبھیتا پر نئی روشنی" میں لکھتے ہیں کہ عرب خلیجی ریاستوں جیسے اومان، بحرین اور کویت میں قدیم کھنڈرات کی کھدائی سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ سندھ کے باشندے عرب سمندر عبور کر کے ان ریاستوں میں تجارت کے مراکز قائم کر چکے تھے (Mughal, n.d.)۔

بحرین کے "ثاربری" مقام سے ملنے والے برتن، مہریں اور مٹی کے ظروف پر موہن جو دڑو کی مشہور تحریری لپی کے نقوش ملے ہیں (Hall, n.d.)۔ اٹلی کے ماہرین نے اومان کے "راس الحمارا" اور "راس الجفیا" سے بھی ایسی ہی اشیاء دریافت کیں۔ کویت کے ساحلی علاقے کے قریب "فاعلقا" جزیرے سے بھی موہن جو دڑو کی مہریں ملی ہیں۔

ان تجارتی روابط میں سندھ سے بھیجی جانے والی اشیاء میں سبزیاں، کپاس، مور، تانبا اور قیمتی پتھر شامل تھے۔ بغداد اور دمشق سے بھی سندھ تہذیب کی مہریں دریافت ہوئی ہیں (Panhwar, 2013)۔

زرعی اشیاء اور ثقافتی اثرات

ڈاکٹر مغل کے مطابق، چاول اور کھجور عرب دنیا میں سب سے پہلے سندھ کے باشندوں کے ذریعے متعارف ہوئے۔ موہن جو دڑو کی کھدائی میں سر جان مارشل کو کھجور کے بیج ملے، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ فصل سندھ سے عربستان پہنچی (Hall, n.d.)۔

بحرین میں فرانسیسی ماہر موسیو بی نے موہن جو دڑو کی مہریں دریافت کیں، جب کہ اومان اور ابو ظہبی کے النار جزیرے میں بھی موہن جو دڑو کے برتن ملے (Panhwar, 2013)۔

ایران، ترکمانستان اور مصر سے روابط

سندھ تہذیب کے وارث 4300 قبل مسیح کے قریب ایران اور ترکمانستان سے بھی تجارت کرتے تھے۔ ماہرین مچیل ڈی پیٹراگالیا اور برڈگیٹ آلچن کے مطابق، ان علاقوں کی کھدائیوں سے موہن جو دڑو کی مہریں، زیورات اور ہاتھ سے بنے ظروف کے نمونے ملے ہیں، جو سندھ تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں (Lal, n.d.)۔

مصر سے بھی ایسے آثار ملے ہیں جو سندھ کے باشندوں کے ساتھ تجارتی تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق، یہ تجارت سندھ تہذیب کے شہروں جیسے ستکاجن در (دشت ندی، بلوچستان)، سوکھتا کوہ (پسنی)، بالا کوٹ (سونمیانی) اور لوتل (گجرات) کے ذریعے

ہوتی تھی۔ یہ شہر بین الاقوامی تجارت کے مراکز تھے (Doniger, 2010; Akhtar, 1983)۔

نتیجہ

مندرجہ بالا شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سندھ تہذیب کے وارث نہ صرف عرب خلیجی ریاستوں بلکہ ایران، ترکمانستان اور مصر جیسے علاقوں سے بھی تجارتی روابط رکھتے تھے۔ ان روابط کے ذریعے نہ صرف اشیاء بلکہ ثقافتی اثرات بھی منتقل ہوئے۔ سندھ تہذیب کا دائرہ اثر بین الاقوامی سطح پر پھیلا ہوا تھا، اور اس کے تجارتی مراکز قدیم دنیا کے اہم اقتصادی مراکز میں شمار ہوتے تھے۔

حوالہ جات

- Akhtar, J. D. (1983, July 27). قدیم سندھ اور اس کے روابط. روزنامہ جنگ کراچی، مڈویک میگزین، ص 12–13۔
- Doniger, W. (2010). The Hindus: An Alternative History. Oxford University Press, p. 67.
- Hall. (n.d.). The Ancient History of Near East, pp. 173–174.
- Lal, C. (n.d.). Hindu America, p. 46.

- Mughal, R. (n.d.). سندھو سبھیتا پر نئی روشنی.
- Panhwar, M. H. (2013). سندھ کی ریجاٹي تاریخ کا چھ ہزار سال [سندھی ایڈیشن]. کراچی۔
- Pecocke. (n.d.). India in Greece, pp. 45–47.
- Channa, M. A. (n.d.). سندھی ادب کے مختلف رجحانات، ص 2–3۔
- Langdon, S. (1931). A new factor in the problem of Sumerian origins. Journal of the Royal Asiatic Society, pp. 593–596۔
- Baloch, N. B. (1962). سندھی زبان کی مختصر تاریخ۔

سندھ کی تہذیب کے وارثین کی نسلی شناخت

وادی سندھ کی تہذیب، جو موجودہ سندھ (پاکستان) میں واقع تھی، انسانی تاریخ کی اولین شہری تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ روایتی بیانیوں کے برعکس، جو اس تہذیب کی تشکیل کو دراوڑ یا آریائی نسلوں سے منسوب کرتے ہیں، جدید تحقیق اور آثارِ قدیمہ کے شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ سندھ کے اصل باشندے—جو پروٹو سندھی زبان بولتے تھے—ہی اس عظیم تہذیب کے حقیقی معمار تھے۔

پروٹو سندھی زبان اور ثقافتی پھیلاؤ

سندھ کے لوگوں نے اپنی پروٹو سندھی زبان کو تحریری شکل دی، جس کے آثار موہن جو دڑو اور ہڑاپا جیسے مقامات سے ملنے والی مہروں اور تختیوں پر موجود ہیں۔ ان لوگوں نے نہ صرف شہری منصوبہ بندی اور تجارت کی بنیاد رکھی بلکہ دور دراز علاقوں کی طرف ہجرت کر کے اپنی زبان و ثقافت کو پھیلایا۔ 1500 قبل مسیح تک وادی سندھ کی تہذیب اپنے عروج پر تھی، جس کے بعد ویدک دور کا آغاز ہوا۔ تاہم، آثارِ قدیمہ اور لسانی شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سندھ کے باشندے ویدک دور سے ہزاروں سال پہلے ہی بیرونی دنیا سے تجارتی روابط قائم کر چکے تھے (Boss, n.d.)۔

جنوبی ہندوستان پر اثرات

سندھی قبائل کی جنوبی ہندوستان کی طرف ہجرت نے وہاں کی تہذیب اور زبان پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ دراوڑی زبانوں میں آج بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جن کی جڑیں سندھی زبان میں ملتی ہیں۔ یہ لسانی مماثلت اس بات کی دلیل ہے کہ دراوڑی بولنے والے لوگوں نے وادی سندھ کی تہذیب سے اثر قبول کیا، نہ کہ اس تہذیب کو جنم دیا۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ سندھی تہذیب دراوڑ نسل کی تخلیق ہے، تو یہ تاریخی ترتیب کو الٹ دینے کے مترادف ہوگا۔

ہڈیوں کے شواہد اور نسلی تسلسل

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ماہر این کے بوس نے ہڑاپا سے ملنے والے 260 انسانی ڈھانچوں کا تجزیہ کیا۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان افراد کی جسمانی ساخت موجودہ سندھی باشندوں سے مشابہت رکھتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وادی سندھ کے اصل باشندے آج کے سندھی لوگ ہی ہیں (Boss, n.d.)۔

دراوڑ مفروضے کی تردید

پاکستان کے معروف ماہرِ آثارِ قدیمہ پروفیسر احمد حسین دانی نے اس نظریے کو رد کیا کہ وادی سندھ کی تہذیب کے خالق دراوڑ تھے۔ 6 جنوری 1998 کو اسلام آباد میں دیے گئے

ایک انٹرویو میں انہوں نے واضح کیا کہ جنوبی ہندوستان—جہاں دراوڑی زبانیں بولی جاتی ہیں—سے موہن جو دڑو جیسی شہری تہذیب کے کوئی آثار نہیں ملے۔ اگر دراوڑ واقعی وادی سندھ سے ہجرت کر کے جنوبی ہندوستان گئے ہوتے، تو وہاں اس تہذیب کے کچھ نہ کچھ آثار ضرور ملتے۔ بھارتی ماہرِ آثارِ قدیمہ بی بی لال بھی دانی کی اس رائے سے متفق ہیں، اور دونوں ماہرین نے آریائی حملے کے نظریے کو بھی مسترد کیا ہے (Dani, 1998)۔

حوالہ جات

- Boss, N. K. (n.d.). *Human skeletal remains from Harappa*. Archaeological Survey of India.
- Dani, A. H. (1998, January 6). Interview on Harappan civilization. Retrieved from http://www.harappa.com/script/danitext.html#1

سندھ پر آریاؤں کے حملے کا مفروضہ: ایک تاریخی تجزیہ

خلاصہ

آریاؤں کے حملے اور اس کے نتیجے میں وادی سندھ کی تہذیب کی تباہی کا نظریہ طویل عرصے سے نوآبادیاتی اور بعد از نوآبادیاتی تاریخ نگاری میں غالب رہا ہے۔ یہ مضمون اس نظریے کی بنیادوں کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ نظریہ آثارِ قدیمہ، لسانیات یا سائنسی شواہد سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس، "آریا" کی اصطلاح دراصل اس خطے کے مقامی کسان طبقے کے لیے استعمال ہوتی تھی، اور آریا نسل کے حملے کا افسانہ نوآبادیاتی تسلط اور نسلی برتری کو جواز دینے کے لیے گھڑا گیا تھا۔

تعارف

یہ تصور کہ آریا قوم نے سندھ پر حملہ کیا، مقامی باشندوں کو غلام بنایا، قتلِ عام کیا، اور ان کی تہذیب کو مکمل طور پر تباہ کر دیا، اب ایک غیر مصدقہ مفروضہ سمجھا جاتا ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب کے خاتمے کو آریاؤں کے حملے سے جوڑنے کا کوئی قابلِ اعتبار سائنسی یا آثارِ قدیمہ پر مبنی ثبوت موجود نہیں۔

آریا کی شناخت کا تجزیہ

عام خیال کے برعکس، "آریا" کوئی نسل، قوم یا قبیلہ نہیں تھا۔ یہ اصطلاح ان افراد کے لیے استعمال ہوتی تھی جو زراعت سے وابستہ تھے۔ موہن جو دڑو کے دور سے لے کر ویدک دور تک، کسانوں کو "آریا" کہا جاتا تھا، جبکہ غیر زرعی افراد کو "ان آریا" یعنی غیر مہذب کہا جاتا تھا (Haq, 1984)۔

ہندو دیوتا "ہری" کا نام "ہر" سے ماخوذ ہے، جو زرخیزی اور خوشحالی کی علامت ہے۔ اس لیے وادی سندھ میں "آریا" ان افراد کو کہا جاتا تھا جو آبادی اور معاشی ترقی میں کردار ادا کرتے تھے۔ سنسکرت میں "آریا" کا مطلب ہے: اعلیٰ ذات، شریف، اور آزاد—نسلی شناخت نہیں (Haq, 1984)۔

نوآبادیاتی مفروضے اور نسلی سیاست

یورپی محققین، خاص طور پر جرمن اور برطانوی، نے آریا نسل کا افسانہ گھڑ کر برصغیر کے عوام کو ذہنی طور پر غلام بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے خود کو آریا نسل کا وارث قرار دے کر اپنی حکمرانی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی اور خود کو تہذیب کے علمبردار کے طور پر پیش کیا (Haq, 1984)۔

سائنسی تردید

1984ء میں روسی ریاضی دان آئی ای ویلڈروسکی نے بخارسٹ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں بتایا کہ موہن جو دڑو سے ملنے والی مہروں کے کمپیوٹر تجزیے سے یہ ثابت ہوا کہ وہاں کے باشندے آریا نہیں تھے (Hilal Pakistan, 1984)۔ متعدد ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ وادی سندھ کے اصل باشندے مقامی سندھی تھے (Haq, 1984; Moinul Haq, n.d.)۔

آثارِ قدیمہ کی ابتدائی غلطیاں

موہن جو دڑو کی ابتدائی کھدائیوں میں نسلی تعصب پر مبنی قیاسات قائم کیے گئے۔ برطانوی اور یورپی ماہرین نے وہاں کے انسانی

ڈھانچوں کو یورپی نسلوں سے جوڑنے کی کوشش کی۔ سر جان مارشل، میکی، کرنل سیول، اور مسٹر گوہا جیسے محققین نے دعویٰ کیا کہ وہاں آسٹریلوی، بحیرہ روم، الپائن، اور منگولیائی نسلوں کے افراد آباد تھے، جن میں اکثریت بحیرہ روم نسل کی تھی (Moinul Haq, n.d.)۔

یہ دعوے ٹھوس شواہد کے بغیر کیے گئے اور اس کا مقصد وادی سندھ کی تہذیب کو جنوبی ایشیا سے الگ کرنا تھا۔ ہندو علماء نے بھی مذہبی اثرات کے تحت سندھی باشندوں کو شمالی ہندوستان کے لوگوں سے جوڑنے کی کوشش کی۔

ہجرت کے نظریے کی تردید

پہلے یہ نظریہ تھا کہ دراوڑ قبائل نے کول اور سنتھال اقوام کو ہٹا کر وادی سندھ میں قبضہ کیا، یا یہ لوگ سمندری راستے سے میسوپوٹیمیا کے ذریعے آئے۔ بعد کی تحقیق نے ان دعوؤں کو غلط ثابت کیا۔ موہن جو دڑو کے باشندے باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ وہ مقامی سندھی تھے۔ درحقیقت، یہ سندھی باشندے تجارت کی غرض سے میسوپوٹیمیا گئے تھے (Venkat, as cited in Nadvi, n.d.)۔

غیر ملکی علاقوں میں موہن جو دڑو کی باقیات کا ملنا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ لوگ وہاں کے تھے، بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ سندھی تاجروں کی رسائی ان علاقوں تک تھی۔ ونکٹ کے

مطابق: "قدیم قبائل سمندری راستے یا خیبر پاس کے ذریعے اس ملک میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ وہ اسی زمین کے اصل باشندے تھے اور ان کی ساخت اسی مٹی سے بنی تھی" (Nadvi, n.d.)۔

لسانی اور انسان شناسی کی تردید

1943ء میں روسی لسانیات دان پروفیسر سٹرووو نے ایشیا اور قفقاز سے حاصل شدہ مواد کا مطالعہ کر کے یہ ثابت کیا کہ آریا نسل کا نظریہ ایک یورپی افسانہ ہے۔ ان کی تحقیق نے نسلی بیانیے کو رد کیا اور وادی سندھ کے باشندوں کی مقامی شناخت کو تسلیم کیا (Haq, 1984)۔

نتیجہ

آریا حملے کا نظریہ ایک نوآبادیاتی افسانہ ہے جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں۔ وادی سندھ کے باشندے مقامی سندھی تھے، اور "آریا" کی اصطلاح ایک سماجی طبقے کے لیے استعمال ہوتی تھی، نہ کہ نسل کے لیے۔ اس بیانیے کی بحالی نہ صرف تاریخی سچائی کے لیے ضروری ہے بلکہ سندھ کی تہذیبی عظمت کی بحالی کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

حوالہ جات

- Haq, S. (1984). *Sindhi Boli* [سندھی زبان]. کراچی: سندھی ادبی بورڈ۔
- Hilal Pakistan. (1984, December 21). *روزنامہ ہلال پاکستان, کراچی*۔
- Moinul Haq, S. (n.d.). *Ancient India* (ص 12)۔
- Nadvi, R. A. (n.d.). *Tareekh-e-Maghribi Pakistan* [تاریخ مغربی پاکستان]. لاہور: اردو بورڈ۔
- Venkat, S. V. (n.d.). *Wonder That Was India* [بحوالہ ندوی، تاریخ مغربی پاکستان]۔

جینیاتی تحقیق کی روشنی میں سندھ پر آریاؤں کے حملے کا افسانہ

خلاصہ

جدید جینیاتی تحقیق نے اس نظریے کو رد کر دیا ہے کہ آریا نسل کے افراد نے وادی سندھ کی تہذیب پر حملہ کیا یا یہاں کے باشندوں کو بے دخل کیا۔ ہندوستان اور ایسٹونیا کے سائنسدانوں کی مشترکہ تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آریاؤں کی برصغیر میں کسی قسم کی نسلی یلغار یا نقل مکانی کا کوئی سائنسی ثبوت موجود نہیں۔ یہ مضمون اس تحقیق کی روشنی میں آریا حملے کے افسانے کو تاریخی، لسانی اور سائنسی بنیادوں پر رد کرتا ہے۔

جینیاتی تحقیق کے نتائج

Centre for Cellular and Molecular Biology (CCMB), Hyderabad، University of Tartu, Estonia، اور Chettinad Academy of Research and Education, Chennai کے سائنسدانوں نے برصغیر کے 30

نسلی گروہوں کے 1300 افراد کے DNA کا تجزیہ کیا۔ اس ڈیٹا کا موازنہ مغربی ایشیا، مشرق وسطیٰ اور قفقاز کے DNA نمونوں سے کیا گیا۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ 1500 قبل مسیح میں یورپ یا وسطی ایشیا سے برصغیر میں کسی قسم کی آریائی نقل مکانی نہیں ہوئی (Thangaraj, as cited in India Today, 2011; Times of India, 2009).

ڈاکٹر کمارا سامی تھنگاراج نے واضح کیا کہ اس دور کے لوگوں کے جینیاتی تجزیے سے آریاؤں کے حملے یا نقل مکانی کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ ڈاکٹر لال جی سنگھ نے اس تحقیق کے بعد کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ برصغیر کی تاریخ کو نئے سرے سے لکھا جائے (India Today, 2011).

آریا حملے کا یورپی افسانہ

آریا نسل کی برتری کا تصور سب سے پہلے فرانسیسی محقق Joseph Arthur نے 1855 میں اپنی کتاب An Essay on the Inequality of the Human Races میں پیش کیا۔ بعد میں جرمن نژاد برطانوی ماہرِ لسانیات Max Muller نے اس تصور کو تقویت دی اور آریا نسل کو دنیا کی اعلیٰ ترین نسل قرار دیا (Knapp, n.d.; Hindu Online, n.d.).

مولر نے آریا نسل اور زبان کو جنوبی ایشیا کی زبانوں کی بنیاد قرار دیا اور Indo-Aryan زبانوں

کا مفروضہ قائم کیا، جسے برطانوی محققین نے سندھ پر آریاؤں کے حملے کے افسانے کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال کیا۔ یہ نظریہ دراصل جرمن نسل پرستی اور برطانوی نوآبادیاتی سوچ پر مبنی تھا (Knapp, n.d.).

ویدوں میں آریا کی اصل معنویت

ویدوں میں "آریا" کا مطلب نسل نہیں بلکہ تہذیب یافتہ اور محنتی انسان ہے۔ Vedic Index کے مطابق "آریا" کا مطلب ہے "کسان" یا "زراعت کرنے والا" (Keith & MacDonnell, 1912). ویدک دور سے قبل ذات پات کا نظام نہیں تھا، بلکہ پیشے کی بنیاد پر خاندان بنتے تھے۔ اس لیے شودر طبقے کے افراد کو بھی "آریا" کہا جاتا تھا کیونکہ وہ بھی زراعت کرتے تھے (Knapp, n.d.).

ویدوں کے مصنفین اور سندھ

اگر آریا نسل کے لوگ باہر سے آئے تھے تو ویدوں میں ان کے اصل وطن کا ذکر کیوں نہیں؟ ویدوں میں سندھ، سندھ کے باشندوں اور دریائے سندھ کی تعریف موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویدوں کے مصنفین خود سندھ کے باشندے تھے، جو بعد میں شمالی ہندوستان منتقل ہوئے اور وہاں سنسکرت زبان کو جنم دیا، جو دراصل

پروٹو-سندھی اور مقامی زبانوں کا امتزاج تھی (Keith & MacDonnell, 1912; Haq, 1984).

دراوڑ مفروضہ کی تردید

ڈاکٹر لال جی سنگھ کے مطابق آریا اور دراوڑوں کے درمیان تصادم کا نظریہ بھی بے بنیاد ہے۔ سندھ کی تہذیب کے وارثوں کو دراوڑ کہنا درست نہیں کیونکہ اس کا کوئی سائنسی ثبوت موجود نہیں (India Today, 2011).

مذہبی مفروضات اور سائنسی رد

بھیرومل اور دیگر ہندو سندھی مصنفین نے موہن جو دڑو کے باشندوں کو تامل، تیلگو اور کنڑ نسلوں سے جوڑنے کی کوشش کی، لیکن یہ دعوے صرف مذہبی قصوں پر مبنی ہیں، جن کا سائنسی بنیادوں پر کوئی ثبوت نہیں (Haq, 1984).

حوالہ جات

- Haq, S. (1984). *Sindhi Boli* [سندھی زبان]. کراچی: سندھی ادبی بورڈ.
- India Today. (2011). Indians are not descendants of Aryans: Study. Retrieved from http://indiatoday.intoday.in/story/indians-are-not-descendants-of-aryans-study/1/163645.html
- Times of India. (2009). Aryan-Dravidian divide a myth: Study. Retrieved from http://timesofindia.indiatimes.com/india/Aryan-Dravidian-divide-a-myth-Study/articleshow/5053274.cms
- Hindu Online. (n.d.). Aryan Invasion Theory. Retrieved from http://hinduonline.co/Articles/HinduHistory/AryanInvasionTheory.html
- DNA India. (2011). New research debunks Aryan invasion theory. Retrieved from http://www.dnaindia.com/india/report-new-research-debunks-aryan-invasion-theory-1623744
- Knapp, S. (n.d.). Aryan Invasion Theory: The Final Nail in Its Coffin. Retrieved from http://www.stephen-knapp.com/ary

an_invasion_theory_the_final_nail_in_its_coffin.htm

- Keith, A. B., & MacDonnell, A. A. (1912). *Vedic Index of Names and Subjects* (Vol. 1, pp. 64–66). London: John Murray.

آریاؤں اور غیر آریاؤں کے درمیان تصادم: ایک سماجی و ماحولیاتی تجزیہ

خلاصہ

آریا حملہ کا نظریہ، جو طویل عرصے سے برصغیر کی تاریخ میں مرکزی حیثیت رکھتا رہا ہے، جدید جینیاتی، آثارِ قدیمہ اور سماجی تحقیق کی روشنی میں متنازع ہو چکا ہے۔ یہ مضمون 1500 قبل مسیح کے آس پاس سندھ کے سماجی ڈھانچے میں تبدیلی، طبقاتی کشمکش، اور ماحولیاتی بحران کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نظریے کو رد کرتا ہے کہ آریا نسل کے افراد نے سندھ پر حملہ کیا تھا۔ مضمون یہ بھی واضح کرتا ہے کہ موہن جو دڑو کے زوال کے بعد بھی شہری تمدن جھوکر اور جھنگر تہذیب کی صورت میں جاری رہا۔

ماں پر مبنی سماج سے باپ پر مبنی سماج کی منتقلی

1500 قبل مسیح کے قریب سندھ میں سماجی ڈھانچے میں بڑی تبدیلی آئی۔ ماں پر مبنی سماج کی جگہ باپ پر مبنی سماج نے لے لی، زرعی نظام مستحکم ہوا، اور ذاتی ملکیت کا تصور گہرا ہونے لگا۔ اس کے نتیجے میں سماج طبقوں میں تقسیم ہونے لگا، اور بالائی و زیریں طبقے کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے، جو بعد میں تصادم کی صورت اختیار کر گئے (Haq, 1984)۔

آریاؤں کا ابھرتا ہوا بالائی طبقہ

ابتدائی اشتراکی سماج میں "آریا" کا مطلب محنتی کسان تھا۔ جیسے جیسے یہ افراد دولت جمع کرنے لگے، انہوں نے سماج کے دیگر افراد کو غلام بنانا شروع کیا اور خود کو "اعلیٰ ذات" قرار دیا۔ یہ طبقاتی استحصال ہی اصل تصادم کی بنیاد بنا۔ زیریں طبقے کے کچھ افراد ان حالات سے تنگ آ کر دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان ہجرتوں کو آریا حملے یا بیرونی قبضے سے تعبیر کرنا تاریخی طور پر غلط ہے (Keith & MacDonnell, 1912; Knapp, n.d.)۔

موہن جو دڑو کے باشندے: دراوڑ نہیں بلکہ مقامی

جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ موہن جو دڑو کے باشندے شمالی ہندوستان سے آئے ہوئے دراوڑ نہیں تھے بلکہ سندھ کے مقامی لوگ تھے جنہوں نے سندھ کی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ آریاؤں کے حملے اور تہذیب کے خاتمے کا نظریہ محض ایک مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں (India Today, 2011; DNA India, 2011)۔

ماحولیاتی تبدیلی اور تمدن کا زوال

1750 قبل مسیح کے بعد سندھ میں ماحولیاتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بارشوں میں کمی آئی، دریاؤں کا بہاؤ کم ہوا، اور خاص طور پر ہاکڑو دریا خشک ہونے لگا۔ اس کے کنارے آباد بستیاں پانی کی کمی کے باعث ویران ہونے لگیں۔ فصلیں کم ہوئیں اور لوگ زرخیز علاقوں کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ یہ خشک سالی کا دور تقریباً 800 سال تک جاری رہا (Panhwar, as cited in Haq, 1984)۔

جھوکر اور جھنگر تہذیب: تمدن کی تسلسل

موہن جو دڑو کے زوال کے بعد بھی سندھ میں شہری تمدن مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے جھوکر اور جھنگر تہذیبوں کو شناخت کیا ہے، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ تمدن کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا۔ ایم ایچ پنھور کے مطابق، موہن جو دڑو کے زوال کے بعد بھی سندھ میں شہری زندگی موجود تھی (Haq, 1984)۔

نتیجہ

رگ وید میں بیان کردہ جنگیں دراصل سماجی طبقوں کے درمیان تصادم تھیں، نہ کہ

بیرونی حملے آریا افراد سندھ کے مقامی باشندے تھے جو سماجی ترقی کے ساتھ بالائی طبقے بن گئے۔ سندھ کی تہذیب کا زوال ماحولیاتی وجوہات کی بنا پر ہوا، نہ کہ کسی بیرونی حملے کی وجہ سے۔ جھوکر اور جھنگر تہذیبوں کا تسلسل اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدن مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ برصغیر کی تاریخ کو ان حقائق کی روشنی میں ازسرِ نو لکھا جائے۔

حوالہ جات

- DNA India. (2011). New research debunks Aryan invasion theory. Retrieved from http://www.dnaindia.com/india/report-new-research-debunks-aryan-invasion-theory-1623744
- Haq, S. (1984). *Sindhi Boli* [سندھی زبان]. کراچی: سندھی ادبی بورڈ۔
- India Today. (2011). Indians are not descendants of Aryans: Study. Retrieved from http://indiatoday.intoday.in/story/indians-are-not-descendants-of-aryans-study/1/163645.html
- Keith, A. B., & MacDonnell, A. A. (1912). *Vedic Index of Names and*

Subjects (Vol. 1, pp. 64–66). London: John Murray.
- Knapp, S. (n.d.). Aryan Invasion Theory: The Final Nail in Its Coffin. Retrieved from http://www.stephen-knapp.com/aryan_invasion_theory_the_final_nail_in_its_coffin.htm

سندھ تہذیب کے زوال کے مفروضے

سندھ تہذیب کے شہر مختلف ادوار میں بار بار آباد ہوتے رہے۔ قدرتی آفات، خاص طور پر سندھ اور ہاکڑو ندیوں میں طغیانی، شدید

بارشیں یا مون سون کی بارشوں میں کمی اور ندیوں کے بہاؤ میں تبدیلی کے باعث یہ شہر تباہ ہوتے رہتے۔ حالات معمول پر آنے کے بعد لوگ واپس آ کر انہی جگہوں پر دوبارہ بستیاں تعمیر کرتے۔ وہ تباہ شدہ شہروں کے ملبے پر نئے شہر تعمیر کرتے، جس سے وقت کے ساتھ ساتھ یہ شہر زمین کی سطح سے بلند ہوتے گئے۔ موہن جو دڑو، چانہو دڑو، ہڑاپا، آمری اور کوٹ ڈیجی جیسے مقامات پر ایک دوسرے کے نیچے مختلف ادوار کے شہر دریافت ہوئے ہیں (Casal, 1964; Khan, 1956; Mackay, 1938)۔

آمری کی کھدائی سے معلوم ہوا کہ یہاں چار تہیں دفن ہیں، جن میں ابتدائی دو تہیں دیہی ثقافت سے تعلق رکھتی ہیں، جبکہ تیسری تہہ موہن جو دڑو کی شہری تہذیب سے اور سب سے اوپر والی تہہ جہانگر تمدن سے وابستہ ہے (Casal, 1964)۔ کوٹ ڈیجی میں گیارہ تہیں دریافت ہوئیں، جن میں ابتدائی تہیں شہری ریاست سے قبل کی دیہی ثقافت کی نمائندگی کرتی ہیں، جبکہ اوپر کی تہیں سندھ تہذیب کی شہری تمدن سے تعلق رکھتی ہیں (Khan, 1956)۔

موہن جو دڑو میں سات تہیں دریافت ہوئیں۔ مون سون کے دوران سندھ ندی میں طغیانی اور پہاڑوں سے پانی کے بہاؤ کے باعث شہر تباہ ہوتا، اور بعد میں لوگ واپس آ کر نیا شہر تعمیر کرتے۔ ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق زیر زمین مزید تہیں موجود ہو سکتی ہیں، اگر

نمکین پانی کی سطح کم کی جائے (Mackay, 1938)۔

سر جان مارشل نے ایک اخبار میں لکھا کہ موہن جو دڑو میں ایک دوسرے کے نیچے نو شہر دریافت ہوئے ہیں (Mackay, 1938)۔ ہڑاپا اور موہن جو دڑو میں طغیانی کے آثار ملے ہیں، جس سے ماہرین نے اندازہ لگایا کہ ایک بڑی طغیانی ان شہروں کی تباہی کا سبب بنی۔

جغرافیہ دان مانک پتھوالا کے مطابق سندھ کے باشندوں نے ندی کے نظام کو سمجھنے کی کوشش کی اور موسمی طغیانی سے بچاؤ کے لیے بند تعمیر کیے اور پیمائشیں کیں (Pithawala, as cited in Mackay, 1938)۔

موسمیاتی تبدیلی اور ماحولیاتی اثرات

جدید تحقیق اور جیو سائنس ٹیکنالوجی کی مدد سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ماحولیاتی تبدیلی سندھ تہذیب کے زوال کا ایک اہم سبب تھی۔ ووڈز ہول اوشیانوگرافک انسٹیٹیوشن کے ماہر Liviu Giosan کے مطابق تقریباً 4000 سال قبل موسمیاتی تبدیلیوں نے اس تہذیب کو زوال کی طرف دھکیل دیا (Giosan, 2012)۔ یہ تہذیب ایک ملین مربع کلومیٹر پر پھیلی ہوئی تھی، جو مصر اور میسوپوٹیمیا کی تہذیبوں سے بھی بڑی شہری تمدن تھی۔

یونیورسٹی کالج لندن کی ماہر Dorian Fuller نے بھی اس تحقیق میں حصہ لیا اور بارشوں کی کمی کو زوال کا سبب قرار دیا (Giosan, 2012)۔ یونیورسٹی آف ایبرڈین کے Peter D. Clift نے بھی اس نظریہ کی تائید کی کہ مون سون کی کمی کے باعث زراعت متاثر ہوئی اور بڑے شہر غیر آباد ہونے لگے (Clift, 2012)۔

دریائی وادیوں کی کھدائی سے ایسے شواہد ملے جن سے ظاہر ہوا کہ مون سون کی بارشوں میں کمی کے باعث دریاؤں کے بہاؤ میں کمی آئی، جس سے زراعت کم ہوئی، خوراک کی قلت پیدا ہوئی، اور لوگ مشرق کی طرف گنگا وادی کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے (Clift, 2012)۔

2003 سے 2008 تک Giosan اور ان کی ٹیم نے پاکستان میں عربی سمندر کے ساحل، تھر اور پنجاب میں قدیم ندیوں، خاص طور پر سرسوتی-ہاکڑو کے بہاؤ پر تحقیق کی۔ اس ٹیم میں امریکہ، برطانیہ، پاکستان، بھارت اور رومانیہ کے ماہرین شامل تھے، جنہوں نے سیٹلائٹ امیجری، ٹوپوگرافک ڈیٹا اور مٹی کے نمونے حاصل کیے (Giosan, 2012)۔

تحقیق سے ثابت ہوا کہ تقریباً 4500 سال قبل مون سون کی بارشوں میں کمی آئی، جس سے دریاؤں کے بہاؤ میں کمی ہوئی، پانی کی قلت پیدا ہوئی، فصلیں کم ہوئیں، اور شہری تمدن زوال پذیر ہوا۔

سرسوتی-ہاکڑو ندی کا خاتمہ

ماہرین نے سرسوتی-ہاکڑو ندی کے خشک ہونے پر بھی تحقیق کی۔ یہ ندی براہ راست ہمالیہ سے نہیں نکلتی تھی بلکہ سندھ ندی کی ایک شاخ تھی، جو زیادہ بارشوں کے باعث بہتی تھی۔ تقریباً 3900 سال قبل بارشوں کی کمی کے باعث یہ ندی مکمل طور پر خشک ہو گئی (Giosan, 2012)۔

کیمبرج یونیورسٹی کی نئی تحقیق

کیمبرج یونیورسٹی کے ماہرین Cameron Petrie، David A. Hodell اور Yama Dixit نے بھارت کے ہریانہ علاقے میں کوٹلا دہار جھیل کے خشک حصوں سے قدیم خول اور مٹی کے نمونے حاصل کیے۔ آکسیجن آئسوٹوپس کے تجزیے سے معلوم ہوا کہ سندھ تہذیب کے زوال کا سبب ماحولیاتی تبدیلی تھی (Dixit et al., 2014)۔

Petrie کے مطابق 2000 قبل مسیح میں آب و ہوا میں تبدیلی کے باعث بڑے شہر زوال پذیر ہوئے، بارشوں کی کمی اور پانی کی قلت کے باعث لوگ ہجرت کرنے لگے (Petrie, as cited in Dixit et al., 2014)۔

حملہ کے نظریہ کی تردید

ڈاکٹر Wheeler اور Stuart Piggott کے حملہ کے نظریہ کو بعد میں کئی ماہرین نے رد کیا۔ ڈاکٹر فضل احمد خان نے آرین حملہ کے تصور کو کمزور قرار دیا، کیونکہ ہڑاپا اور موہن جو دڑو کے بعد جھاکر اور جھانگر ثقافت کی تہیں دریافت ہوئی ہیں (Khan, 1956)۔

بیکانیر میں کھدائی سے 600 قبل مسیح کے برتن اور اوزار ملے، جن کے نیچے طغیانی سے آئی مٹی کی تہہ اور اس کے نیچے سندھ تہذیب کی باقیات موجود تھیں۔ موہن جو دڑو سے ایک ایسی مہر ملی جس پر طغیانی کی مٹی کی تہہ موجود تھی۔

ان شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوال کے باوجود تہذیب مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔ جھاکر اور جھانگر تمدن اس تسلسل کا ثبوت ہیں۔ جھاکر سے 1650 قبل مسیح کے آثار ملے، اور جھانگر تمدن نے شہری زندگی کو جاری رکھا۔

آبپاشی کے ماہر ایم ایچ پنھور کے مطابق اب یہ نظریہ مسترد ہو چکا ہے کہ موہن جو دڑو اور ہڑاپا کی تباہی کے بعد تہذیب کا پہیہ رک گیا۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ زوال ایک ہی وقت میں نہیں آیا، بلکہ کچھ شہر زوال پذیر ہوئے تو دوسرے شہر ابھرے۔ تہذیب کا ارتقائی سلسلہ جاری رہا، کبھی تیز رفتاری سے، کبھی سست رفتاری سے۔

حوالہ جات

- Casal, J. M. (1964). Fresh digging at Amri. Archaeological Department of Pakistan, Vol. 1.
- Clift, P. D. (2012). School of Geosciences, University of Aberdeen. Retrieved from http://www.pnas.org/content/109/26/E1688.abstract
- Dixit, Y., Hodell, D. A., & Petrie, C. A. (2014). Abrupt weakening of the summer monsoon in northwest India ~4100 yr ago. Geology, 42(4), 339–342. https://doi.org/10.1130/G35236.1
- Giosan, L. (2012). Ancient Harappan Civilization Collapsed Because of Changes in the Climate. Retrieved from http://planetsave.com/2012/05/30/ancient-harappan-civilization-

collapsed-because-of-changes-in-the-climate

ماخذات

1. Archaeological Survey Report, 1924-25
2. Archaeological Survey Report, 1926-27, Plate: XIII
3. Alexander Carson, How Trading Abroad Built the Indus Valley

Civilization, https://ant3145indusvalley.wikispaces.com/Trade+and+Economics+in+the+Indus+Valley

4. Aleem Maqbool, “Mohenjo-Daro: Could this city be lost forever?” http://www.bbc.co.uk/news/magazine-18491900

5. Allana, Dr. Ghulam Ali, Sindhi Language and Literature at a Glance, Sindhi language Authority, Hyderabad, 2009

6. Allana, Dr. Ghulam Ali, SINDHI LANGUAGE & LITERATURE AT A GLANCE, Sindhi Language Authority, Hyderabad, Sindh. 2009

7. Andrew Robinson, Ancient civilization: Cracking the Indus script, Nature 526, 499–501(22 October 2015),

   Ref: http://www.nature.com/news/ancient-civilization-cracking-the-indus-script-1.18587#/ref-link-4

8. Baloch, N.A, “In Search of the Indus Culture Sites in Sind”,

Bulletin of Institute of Sindhology, Jamshoro, Vol: III, July 1973

9. Basham, A.L. The Wonder that was India. New York: Grove Press, Inc., 1959

10. Beruhard, Wolfram, “Preliminary report on the Human Skeletal Remains from the Pre-Historic Cemetery of Sarai Khola” Pakistan Archaeology, No: 6, 1969, Karachi

11. Bland Ford, H.F, “Quarterly Journal of the Geological Society” Vol: xxx (1875)

12. Boss N.K, “Human skeletal Remains from Harappa”

13. Bowte John, “The Concise Encyclopaedia of World History”

14. Casal, J.M. “Fresh digging at Amri” Archaeological Dep’t: of Pakistan, 1964, Vol: 1

15. Chaman Lal, “Hindu America”

16. Channa, Mahboob Ali, “Pre-Harappan Civilization in Indus Valley” Sind Quarterly, 1978-1

17. Chatterji, S.K, “Modern Review” December 1924

18. Chad Greenwood, “Economics of The Indus Valley Civilization” http://www.csuchico.edu/~cheinz/syllabi/asst001/fall97/2chd.htm

19. Cooke Taylor, “Manual of Ancient History”

20. Cousens H. “The Antiquities of Sindh”

21. Crammer, Dr. Noah, Report in Daily Dawn Karachi, December 1960

22. Clark, Sharri R. Representing the Indus Body: Sex, Gender, Sexuality, and the Anthropomorphic Terracotta Figurines from Harappa, University of Hawai’I Press (Honolulu), 2003, Volume 42, Number 2

23. Dani Ahmed Hassan, “Shahbaz Garhi”, Archaeological Guide Series No: 2, Peshawar, 1964

24. Dani, Ahmed Hasan, Origins of Bronze Age cultures in the Indus Basin, a geographic perspective, Expedition, Winter 1975, www.penn.museum/documents/publications/expedition

25. Dani, A. H. and B.K. Thapar, THE INDUS CIVILIZATION, UNESCO 1996, ISBN 978-92-3-102719-2

26. Donal B. Buchanan, A Short Introduction to the Study of the Indus Script with Comments on the Corner Symbols, The Epigraphic Society Occasional Papers * Volume 28

Ref:https://www.academia.edu/4612343/A_Short_Introduction_to_the_Study_of_the_Indus_Script_With_Comments_on_the_Corner_Symbols

27. Good, I. L., J. M. Kenoyer, and R. H. Meadow. 2009. “New Evidence for Early Silk in the Indus Civilization.” Archaeometry 51, no. 3: 457–466

28. Exploration at Naru Waro Daro, Archaeological Deptt: of Pakistan, 1964- vol: 1

29. Fairservis, “Preliminary report on the Pre Historic Archeology of Afghanistan, Baluchi Areas” American Museum of National History 1952

30. Fairservis, Walter A. Jr., “The origin, Character and Decline of an Early Civilization,” in Ancient Cities of the Indus, ed. Gregory Possehl, Vikas, New Delhi, 1979.

31. Flame, Louis, “The Paleography & Prehistoric Settlement Pattern in Sind” (CA 4000-2000 B.C), A dissertation in South Asia Regional Studies, Pennsylvania, 1818

32. Fleet, I.F, “Seals from Harappa” J.R.A.S, 1912

33. Frgossen, “History of Indian & Eastern Architecture” vol: 1

34. Gauhar, Altaf, “Twenty years of Pakistan 1947 to 1964”

Pakistan Publication, Karachi, 1969

35. Gehani, Mohan Brief Introduction, HISTORY OF SINDH, Indian Institute of Sindhology, Adipur, Kutch (Gujrat) India, 2008

36. Gordon, G.H. Col, “The stone Industries of Holocene in India and Pakistan” Ancient India No: 6, 1950

37. Graersen, “Linguistic Survey of

India” Vol: 1, Part 1

38. Gupta, K.R.; Gupta, Amita. (2006). *Concise Encyclopaedia of India, Volume 3*. Atlantic Publishers & Distributors. pp. 964
39. Halim, M.A, “Preliminary report on Sarai Khola Excavation” 1968
40. Hall, H.R, “Ancient History of Near East”
41. Hazgreaves, H, “Excavations in Baluchistan” M.A.S.I No:35 Delhi – 1927.
42. Heras, H. “Journal of Indian History” April 1937, S. No:46
43. Heras, H. “Sindh Observer” Karachi, 27 October 1937
44. Heras, H. “Studies in Proto-Indo-Mediterranean Culture”
45. Hermann Kulke and Dietmar Rothermund, A HISTORY OF INDIA, London and New York, 1998
46. Historical Researches, Vol: II,
47. Hunter, “Script of Harapa and Mohenjo Daro”

48. Indian Archaeology [A Review] 1960-61
49. Javonillo, Charise Joy (2010) “Indus Valley Civilization: Enigmatic, Exemplary, and Undeciphered,” ESSAI: Vol. 8, Article 21.
Available at:
http://dc.cod.edu/essai/vol8/iss1/21
50. Journal, Sindh Historical Society, Vol: VIII
51. Kalyan Ray, Homo sapiens may have reached India 74,000 yrs ago, New Delhi, Mar 3, 2010, DHNS
52. Kavita Gangal, M. N. Vahia and R. Adhikari, Spatio-temporal analysis of the Indus
urbanization, Tata Institute of Fundamental Research, Homi Bhabha Road, Mumbai 400 005, India Ref: CURRENT SCIENCE, VOL. 98, NO. 6, 25 MARCH 2010
53. Kenoyer, Jonathan Mark, Ancient cities of the Indus Valley Civilization, Oxford University Press, Pakistan, 1998.

54. Kenoyer, Jonathan, Mark, Changing Perspectives of the Indus Civilization, New Delhi, 2011

55. Kenoyer, Jonathan. "Indus Valley Civilization." Encyclopedia of India. Ed. Stanley Wolpert. Vol. 2. Detroit: Charles Scribner's Sons, 2006. 258-267.Global Issues in Context. Web. 16 Feb. 2016 Kenoyer, Jonathan Mark, “Mohenjo-Daro”, http://www.mohenjodaro.net/

56. Kenoyer, Jonathan Mark, Changing Perspectives of the Indus Civilization:
New Discoveries and Challenges, JOURNAL OF THE INDIAN ARCHAEOLOGICAL SOCIETY, Number 41, 2011

57. Khan F.A, “Kot Diji-Preliminary report on the execuation at Kot Diji” Archeology Department University of Karachi, 1958

58. Khan F.A, “Architecture and Art Treasures in Pakistan” Archeology Department University of Karachi, 1968

59. Khan F.A, “Cultural heritage of Pakistan”, Archeology Department University of Karachi, 1966

60. Khan F.A, “Fresh Side Light on the Indus Valley”, Archeology Department University of Karachi, 1965

61. Khan F.A, “the Glory that was Harappa”, Archeology Department University of Karachi, 1967

62. Khan F.A, “The Glory that was Mohenjo Daro”, Archeology Department University of Karachi, 1967

63. Khan F.A, “The Indus valley and early Iran” Archeology Department University of Karachi, 1964

64. Khan, Dr. F.A, “Kotdigi-Preliminary Report on Kotdigi Excavations” 1956-58, Karachi.

65. Khan, F.A, “A Pre-historic settlement discovered near Taxila” The Pakistan Times, 14 June 1968.

66. Keith and MacDonnell, “Vedic Index” Vol:1

67. Kosambi, D.D. The culture and civilization of Ancient India in

Historical Lines

68. Kramer, Samuel N. "The Indus Civilization and Dilmun, the Sumerian Paradise Land." Expedition (1964): 44-52. The Indus. 21 Apr.2009 http://130.91.80.97:591/PDFs/6-3/The%20Indus.pdf.
69. Lambrick, H.T, “Sindh – A General Introduction”
70. Lambrick, H.T, “Sindh before Muslim Conquest” 1973
71. Langdon, S. “A new factor in the Problem of Sumerian origins”, Journal, Royal Asiatic Society (1931)
72. Leaky, L.S.B. “The Stone Age of Africa”
73. Louis Falm, “Prehistoric Settlement in Sind” Sindh Quarterly, Karachi, 1984-4
74. Mackay, E.J.H, “Further Excavation at Mohen jo Daro” 2 Volumes, Delhi, 1938.
75. MAHADEVAN, IRAVATHAM. The Indus ‘non-script’ is a non-issue, http://www.thehindu.com/todays-

paper/tp-features/tp-sundaymagazine/the-indus-nonscript-is-a-nonissue/article661496.ece

76. Majumdar, “Exploration in Sind” M.A.S.I No: 48, Delhi, 1934.

77. Majumdar, “History and Culture of Indian People” Bombay, 1955, Vol: 2

78. Majumdar, “Exploration in Sind”, Indus Publication KARACHI, 1981

79. Mary C. Stiner, Steven L. Kuhn, Early Man: a tribute to the late career of F. Clark Howell, Journal of Human Evolution 55 (2008) 758–760

80. Marshall, Sir John, “Mohen jo Daro and Indus Civilization” Vol: 1-3, London 1931. Reprint: Asian Educational Services, 1996.

81. Marshall, Sir John Mohenjo-Daro and The Indus Civilization, System of Weights at Mohenjo-Daro, Chapter Xxix, Arthur Probsthain, 41 Great Russell Street, London, W.C.1, 1931

82. Mcintosh, Jane. R. The Ancient Indus Valley

New Perspectives, Oxford, England, ISBN 978-1-57607-908-9

83. Minchin, C.F “Baluchistan Distt: Gazetteer” Vol: VII, 1907

84. Mike Edwards. “Indus Civilization”. National Geographic. June 2000, National Geographic Society.

http://sks.sirs.com/cgi-bin/hst-article-display?id=SNY79285-0-3865&artno=0000119267&type=ART&shfilter=U&key=mohenjo%20daro%20&title=Indus%20Civilization&res=Y&ren=Y&gov=Y&lnk=Y&ic=N

85. Miller, Daniel, Ideology and The Harappan Civilization, Journal of Anthropological Archeology, 4, 34-71, (1985), Department of Anthropology, University College London

86. Modern Review, February, 1925

87. Moinul Haq, “Incient India” Karachi, 1954

88. Mughal M.R, “Dawn of Civilization in Sind” Sindh Quarterly, Karachi, 1980-4

89. Mughal M.R, “Origin of Indus Civilization” Sindhological Summer, 1980
90. Mughal, Dr. M.R, “New Research of the Origins of the Indus Civilization” Sindh Quarterly 1981-3
91. Mughal, M.R, “Archaeology of Sindh” 1975
92. Mughal, M.R, “Present state of Research on the Indus valley Civilization” Karachi, 1973
93. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, Preliminary Review of Archaeological Surveys in Punjab and Sindh: 1993-95, South Asian Studies, 13, 1997 London.
94. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, Jhukar and the late Harappan Cultural Mosaic of the Greater Indus Valley, South Asian Archaeology, Madison Wiscosin 1989.
95. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, Genesis of the Indus valley Civilization, Lahore Museum Bulletin, Vol. 1(1), 1988

96. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, The Rise of the Indus Civilization, Forgotten Cities of the Indus, Germany 1991.

97. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, The Geographical Extent of the Indus Civilization, During the early, Mature and late Harappan Times, South Asian Archaeology Studies. New Delhi, 1992

98. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, The Harappan "Twin Capitals" and reality, Journal of Central Asia, Vol. XIII, No. 1, July 1990

99. MUGHAL, DR. M. RAFIQUE, THE DECLINE OF THE INDUS Civilization AND THE LATE HARAPPAN PERIOD IN THE INDUS VALLEY, Lahore Museum Bulleti", off Pri, Vol. Ill, No.2, July-Dec. 1990

100. National Geographic Magazine, Feb. 1922

101. National Geographic Magazine, Feb. 1977

102. National Geographic. John Roach, "Faceless" Indus Valley City Puzzles Archaeologists"

103. Panhwar, M.H, “Chronological Dictionary of Sindh” Jamshoro

104. Panhwar, M.H. “Language of Sindh”, Sindh Quarterly, Karachi, 1978-3, Vol: VI

105. PANHWAR, M.H. LANGUAGES OF SINDH, www.panhwar.com

106. Panhwar, M.H. “Man in Sindh” Sindhological Studies, Summer 1982, Institute of Sindhology Jamshoro

107. Panhwar, M.H. “Sindh Cutch Relations” Karachi, 1980

108. Panhwar, M.H, Six thousand years of History of Irrigation in Sindh, April 2011

109. Parpola, Asko, Deciphering the Indus Script, https://www.harappa.com/script/parpola15.html

110. PARPOLA, Asko, Study of the Indus Script (Special Lecture), Paper read at the 50th ICES Tokyo Session on 19 May 2005 in Tokyo.

111. Paolo BIAGI, THE MESOLITHIC SETTLEMENT OF SINDH (PAKISTAN):

A PRELIMINARY ASSESSMENT, PRAEHISTORIA vol. 4–5 (2003–2004)

112. Patnaik R, Chauhan P, India at the cross-roads of human evolution, J Biosci. 2009 Nov;34(5):729.

http://www.ncbi.nlm.nih.gov/pubmed/20009268

113. Paul D. LeBlanc, Ancient Egyptian Ties with The Indus Civilization: Theories of Contact, (PDF version)

114. Paterson. T.T. and Orummond, H.J.H, “Soan-The Paleolithic age of Pakistan” Karachi, 1962

115. Patterson, “The World Correlation of Pleistocene”

116. Pecocke, E. “India in Greece” London

117. Philip, Hitti, “History of Syria”

118. Pithawala, M.B, “Marvels of Earth”

119. Pithawala, M.B, “Historical Geography of Sindh” Institute of Sindhology, Jamshoro

120. Raverty, H.G, “The Mehran of Sindh and its tributaries”

121. Report “Bulletin” Vol: 5, 1975-76, Institute of Sindhology

122. Robert Shaw, “Origin of Anciant Civilization of the Nile’s Valley”

123. Samar K Kundu, The Chronology of Indus Valley Civilization, JULY 2013, https://www.researchgate.net/publication/264383453

124. Sankaran, A. V. Saraswati – the ancient river lost in the desert, Ref: http://www.iisc.ernet.in/currsci/oct25/articles20.htm

125. Shainna Ali, Women in the Mature Harappan Period of the Indus Valley Civilization, The Placement of Women in the Indus Valley, Ref: https://ant3145indusvalley.wikispaces.com/The+Placement+of+Women+in+the+Indus+Valley

126. Shaikh, Khurshid R., and Syed M. Ashfaque. Moen-Jo-Daro: A 5,000-year-old Legacy. Paris: United Nations Educational. Scientific and Cultural Organization, 1981.

127. Shaffer, J.G. and B.K. Thapar, PRE-INDUS AND EARLY INDUS

CULTURES
OF PAKISTAN AND INDIA, PART ONE (J. G. SHAFFER), ISBN 978-92-3-102719-2

128. Siecus, “History of Persia” Vol: 1
129. Snelgrove, A.K. “Geohydrology of the Indus River west Pakistan” Hyderabad, 1967
130. Sorly, H.T. “Sindh Gazetteer” Karachi, 1968
131. Steve Farmer, Richard Sproat and Michael Witzel, The Collapse of the Indus Script thesis: The myth of a literate Harappan Civilization, Ref: www.ejvs.laurasianacademy.com or http://www.safarmer.com/fsw2.pdf
132. Stephen Knapp, The Aryan Invasion Theory: The Final Nail in its Coffin

    (From a Chapter in "Advancements of Ancient India's Vedic Culture”) Refrence: http://www.stephen-knapp.com/aryan_invasion_theory_the_final_nail_in_its_coffin.htm

133. Steven A. Weber and William R. Belcher, Indus_Ethnobiology, Oxford New York, 2003

134. Steinn, Sir, A, "An Archaeological Tour in Waziristan & Baluchistan", M.A.S.I. No: 37, Delhi 1929

135. Stien, Sir, A, "An Archaeological Tour in Gedorosia" M.A.S.I No: 43 Delhi 1931

136. Sturat Piggott, "Pre-Historic India" 1950

137. The Chamber's Encyclopaedia, Vol: 1

138. Talpur, Prven, A Throw of Dice: 5000 Years Ago, http://parveentalpur.com/tag/chess/

139. The Daily Dawn, Karachi, Sunday, July 20th, 1969

140. THOMAS J. THOMPSON, Ancient Stateless Civilization, Bronze Age India and the State in History, University of Maryland University College, The Independent Review, v. X, n. 3, Winter 2005, ISSN 1086-1653, Copyright © 2005, pp. 365–384.

141. Toynbee, A.J, “A Study of History” Vol: I

142. Vats M.S. “Excavations at Harappa” 2 vol's, Delhi 1949.

143. Vasant Shinde, Shweta Deshpande, Toshiki Osada, Basic Issues in Harappan Archaeology: Some Thoughts, http://www.ancient-asia-journal.com/articles/10.5334/aa.06107/

144. Vidale, Massimo. The Collapse Melts Down: A Reply to Farmer, Sproat & Witzel, East and West, Vol. 57, No. 1/4 (December 2007), pp. 333-366

145. Wheeler S.M. “The Archaeology of Pakistan” The Cultural heritage of Pakistan, Karachi, 1955

146. Wheeler, S.M, “Civilization of Indus Valley and Beyond”

147. Wheeler, S.M, “Early India & Pakistan”

148. Wheeler, S.M, “Indus Civilization” 1960

149. Yama Dixit, David A. Hodell, and Cameron A. Petrie, Abrupt

weakening of the summer monsoon in northwest India~4100 yr ago, Geology, published online on 24 February 2014 as doi:10.1130/G35236.1

Source material Online:

150. http://www.timemaps.com/civilization/Indus-Valley-civilization
151. http://www.mapsofindia.com/history/indus-valley-civilization.html
152. http://www.ancient-origins.net/artifacts-ancient-writings/decoding-mysterious-ancient-indus-valley-script-will-shed-light-powerful-020582?utm_source=sumome&utm_medium=facebook&utm_campaign=sumome_share
153. http://science.nationalgeographic.com/science/archaeology/mohenjo-daro/ "The Downfall of Mohenjo-Daro"
154. http://library.thinkquest.org/05aug/00156/mohenjodarodecline.html "Harrapan Period"

155. http://www.indianartcircle.com/arteducation/page_2.shtml

156. www.thenagain.info/webchron/india/arappa.html

157. http://project-history.blogspot.com/2006/11/mohenjo-daro-trade-culture-and.html

158. http://ancientindia.co.uk/indus/home_set.html

159. http://www.deccanherald.com/content/56043/homo-sapiens-may-have-reached.html

160. آڏواڻي، پيرومل مهرچند، ”سنڌي ٻوليءَ جي تاريخ“، سنڌي ادبي بورڊ حيدرآباد، 1972ع

161. آڏواڻي، پيرومل مهرچند، ”قديم سنڌ“

162. اسٽيئن، آئرل”آرڪيالاجيڪل ٽوئر آف گدروسيا“ ڪلڪتو، 1931ع

163. اختر، جمنا داس ”قديم سنڌ اور اس ڪي روابطه“ روزانه جنگ ڪراچي، مڊويڪ مئگزين 27 جولاءِ 1983ع

164. اسٽالن، جوزف، مارڪسي فلسفو

165. الانا غلام علي، ”سنڌي ٻوليءَ جو بڻ بنياد“ ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1967-2

166. الانا، غلام علي، ”سنڌي ٻوليءَ جو بڻ بڻياد“، حيدرآباد، 1974ع

167. الانا، ڊاڪٽر غلام علي، سنڌي ٻولي جي ارتقا، سنڌي لينگويج اٿارٽي، حيدرآباد، 2006ع

168. الانا، ڊاڪٽر غلام علي، سنڌي ٻولي جي ارتقا، سنڌي لئنگيج اٿارٽي، حيدرآباد سنڌ، 2006ع

169. ايس وي ونڪٽ، ونڊر ديٽ واز انـڊيا، بحـوالا تاريخ مغربي پاڪسـتان، رشـيد اخـتر نـدوي، اردو بورڊ لاهور

170. اشـرف، محمـد تـاريخ و سياسـت، رسالو، جولاءِ 1951ع

171. اينگلس فريڊرڪ، ”خاندان، ذاتي ملڪيت اور رياست ڪا آغـاز“ منتخب تصـانيف حصـو: 3 ماسڪو 1973ع

172. اينگلس، فريـــــــــڊرڪ ”منتخب تصنيفات“ حصو 3، ماسڪو 1973

173. بخاري، سيد محمود شاهه، ”تـاريخ بلوچستان“ ڪوئيٽا 1983ع

174. بخاري، سيد حاڪم علي شاهه ۽ محمد عثمان ميمڻ، ڏکڻ ايشيا جي ٻولين ۽ لپين جي ڊائريڪٽري، سنڌي لئنگيج اٿارٽي، حيدرآباد سنڌ، 2010ع

175. بخاري، سيد حاڪم علي شاهه ۽ محمد عثمان ميمڻ، سنڌ جي قديم آثارن جي

ڊائريڪٽري، سنڌي لئنگيج اٿارٽي، حيدرآباد سنڌ، 2008ع

176. بريفالٽ، رابرٽ تشڪيل انسانيت لاهور، 1966

177. بلنـــڊن، گـــاڊ فـــري ”آســـٽريليا- سرزمين □ باشندا“

178. پٺــاڻ، ممتــاز ”ســنڌ جي عظمت“ نئين زندگي ڪراچي 1971ع

179. پٺـــاڻ، ممتـــاز “صـــورتخطيءَ جي ارتقا“، ماهوار نئين زندگي ڪراچي، مارچ 1967ع

180. پروئــل هــنري ابي، ”انســان جي قدامت“ ماهوار سائنس، فيبروري، 1982ع

181. پنهور ايم ايڇ، ”سنڌ جي تاريخ □ آثـار قديمـه تي تحقيق □ اشاعت“ ٽماهي مهراڻ، سـنڌي ادبي بورڊ حيدرآباد، 2-1984

182. پنهور ايم ايڇ، سنڌ جي ريجاٽي تاريخ جا ڇهه هزار سال، سنڌيڪار عمر سومرو، ڪراچي 2013ع

183. پرساد، دوارڪا ”سنڌ جو پراچين اتهاس“ ڀاڱو 2، 1944ع

184. پٽاوالا، ماڻڪ ”سنڌو ماٿريءَ جي تهذيب“ ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1966-1-2

185. پـتي، رشـيد ”پاڪسـتان جـا پراڻـا شهر“

186. پنھورو، عطا محمد، سنڌو لکت جو بين الاقوامي لکتن سان لاڳاپو (ترجمو)، سنڌي لينگويج اٿارٽي، حيدرآباد

187. پنھورو، عطا محمد، سنڌو لکت ۽ ٻولي، (ترجمو)، سنڌي لينگويج اٿارٽي، حيدرآباد

188. حسين، ڊاڪٽر فهميده ، سنڌيڪار، سنڌو لکت، ايڪيهين صديءِ ۾ ٿيل نئين تحقيق، سنڌي لئنگيج اٿارٽي، حيدرآباد سنڌ۔ 2012ع

189. حسين، ڊاڪٽر فهميده، سنڌي ٻولي: مختلف لساني پهلو، سنڌي لئنگيج اٿارٽي، حيدرآباد سنڌ، 2012ع

190. خان، ايف اي ”ڪوٽڏجي ڪلچر“ ماهوار هلال پاڪستان ميگزين، روزانه هلال پاڪستان ڪراچي، مئي 1983ع

191. دولت رام، جئرام داس، سنڌي ٻولي ۽ لپي جو اتهاس، سنڌي لئنگيج اٿارٽي، حيدرآباد سنڌ، 2009ع

192. ذان زيري جي رپورٽ، روزانه هلال پاڪستان، ڪراچي، 5 ڊسمبر 1983ع

193. رپورٽ، روزانه هلال پاڪستان، ڪراچي 5 ڊسمبر 1983ع

194. روانه هلال پاڪستان 31 ڊسمبر 1983ع

195. روزانه هلال پاڪستان ڪراچي، 21 ڊسمبر 1984ع

196. سراج الحق، ”سنڌي ٻولي“ 1964ع

197. سراج الحق، ”سنڌي ٻولي“ ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1962-1

198. سڪندر مغل ”ارتقا جي ڪهاڻي“ حيدرآباد 1985ع

199. سومرو، مولا بخش اي،”ڪوٽڏجي-آثار قديمه جو هڪ نشان“ ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1962 پرچو نمبر 4

200. سمراٽ، گنگارام ”سنڌ سووير“

201. شيدائي، رحيم داد خان مولائي، ”تمدن سنڌ“ سنڌ يونيورسٽي ڄامشورو، 1959ع

202. شيخ، زمان ”سنڌي طب“1-2-3، ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1980 کان 1982 مختلف شمارا

203. ميمڻ، سراج الحق، ”آمري“ قسط-1-2، ماهوار نئين زندگي، مارچ اپريل 1966ع

204. گنگارام، سمراٽ، ”سنڌو سؤوير“

205. صديقي، محمد ادريس، ”سنڌو ماٿر جي سڀيتا“ سنڌي ادبي بورڊ، حيدرآباد، 1979

206. عبدالحميد راشد، ”سرائڪي زبان کا جائزه“ ماهنامه قومي زبان، مئي 1976ع

207. جتوئي، علي نواز ”سنڌي ٻولي“ ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1968 -2

208. فريزر، سر جيمس جارج، ”جادو سائنس“ حصو: 2

209. دوني، قمر الدين ”تهذيب تمدن جو مرڪز اولهه پاڪستان“، ماهوار نئين زندگي، جـولاءِ 1965ع

210. لئمبرڪ، ايچ ٽي، ”تاريخ سنڌ“ جلد 1، ”سنڌ هڪ عام جائزو“

211. ڪـاڪ، لـزلي ايـل ”قـديم تـرين بلوچستان“ ماهه نو ڪراچي، آڪٽوبر 1951ع

212. ليونتيف، ليف ”سياسي معاشيات“ ماسڪو 1975ع،

213. لينن، ”رياســــــــت اور انقلاب“ ماسڪو

214. چنا، محبـوب علي ”سـنڌ مـاٿر جـا اصل رهواسي دراوڙ آهن“ ٽماهي مهراڻ 1973-3

215. چنــا، محبــوب علي ”ســنڌي ادب ڪي مختلف رجحانات“

216. معاشـري ڪي سـائنس، ماسـڪو 1977ع، ص-88-89

217. ملڪـاڻي، منگهـارام، ”سـاهتڪارن جون سمرتيون“

218. مــارڪ، جونــاٿن روزانــه عــبرت حيدرآباد، 7 نومبر 1981ع

219. مولانــا قاســمي، رســالو الــرحيم سنڌي، حيدرآباد، 1967ع

220. مهــر ڪمــال، مــوهن جي دڙي جي ٻــولي

کھڙي هئي، ماهوار نئين زندگي ڪراچي، آڪٽوبر 1969ع

221. ميخائيل ايلين ۽ ايلينا سيگان، ”انسان ٻڙا ڪيسي بنا“ ڪراچي 1982ع

222. ميمڻ عبدالمجيد سنڌي، ”سنڌي ٻولي“، ٽماهي مهراڻ حيدرآباد، 1973-1-2

223. ميمڻ عبدالمجيد سنڌي، ”هاڪڙو درياهه“، اڻا مينهن ملير، ميرپورخاص-1975

224. نبي بخش بلوچ، ”سنڌي ٻوليءَ جي مختصر تاريخ“ 1962ع

225. ندوي ابو الجلال، موهن جو دڙو ڪي زبانين، رساله تاريخ و سياست، نومبر 1953ع

226. هاورڊ موئر، ”وحشي جيوت جا نشان“ حيدرآباد

227. يوري گنڪوفسڪي، ”پاڪستان ڪي قوميتين“ ماسڪو 1976ع